Fikr-o-Nasar (Islamabad) 42,43:4,1 (2005)

فکرونظر............ اسلام آباد جلد: ۴۲، ۴۳ شمارہ: ۴، ۱

المجلس العلمی: برصغیر میں خدمت و اشاعت حدیث کا قدیم ادارہ

پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد ☆

(۱)

المجلس العلمی برعظیم پاک و ہند (جنوبی ایشیا) میں علوم و معارف اسلامی کی ترویج و اشاعت کے لیے عموماً اور علوم و فنون حدیث کی تحقیق، تالیف اور طباعت و اشاعت کے لیے خصوصاً جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ/اکتوبر ۱۹۳۱ء میں قائم کیا جانے والا ایسا قدیم ادارہ ہے جو نمود و نمائش اور کسی تشہیری مہم کے بغیر اپنی ٹھوس علمی خدمات گذشتہ ستر سال سے برابر انجام دے رہا ہے۔

المجلس العلمی کا قیام ایک خاص پس منظر رکھتا ہے اور اپنی نوعیت میں بھی یہ ادارہ مخصوص ہے۔ یہ عام اشاعتی اداروں سے مختلف روایات کا حامل ، کاروباری و تجارتی منفعت سے بے نیاز (خالص علمی و تحقیقی ضرورت کے تحت) ایک تصنیفی تالیفی اشاعتی ادارہ کی حیثیت سے وجود میں آیا اور پھر برصغیر کے نامور عالم دین ، محدث کبیر، علامۃ الدہر، شیخ العصر محقق و شارح حدیث، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ (م محرم ۱۳۵۱ھ/مئی ۱۹۳۲ء) کی سرکردگی و سرپرستی میں اولاً اور شیخ الاسلام، شارح صحیح مسلم صاحب فتح الملہم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (م۱۳۶۹/ ۱۹۴۹ء) کی سرپرستی میں ثانیاً اس ادارہ نے اپنی تمام سرگرمیوں کو اس طرح منظّم کیا کہ اپنے قیام کے بہت تھوڑے عرصہ بعد ہی اسے عالمی شہرت حاصل ہوگئی۔

اس ادارہ کی شہرت و ناموری کی ایک وجہ اگرچہ نادر و نایاب علمی ذخائر اور قدیم مآخذ کی دریافت اور ان کی بہ اہتمام طباعت و اشاعت قرار پائی۔ لیکن اس ادارہ کے اعزاز و افتخار کی دوسری بڑی وجہ حدیث کی محققانہ خدمت اور طباعت و اشاعت تسلیم کی گئی۔ علاوہ ازیں جو شخصیت اس ادارہ کو عدم سے وجود میں لانے کا سبب بنی، جس کی تحریک و تدبیر کے تحت اسے جامعہ اسلامیہ سے منسلک کیا گیا، اور جس نے اسے تعلیم ، تدریس ، تحقیق و جستجو سے ہم آہنگ کرکے منفرد اشاعتی ادارہ بنایا وہ شخصیت امام العصر حضرت الشیخ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی تھی۔ وہ بیک وقت مفسر، محدث متکلم فیلسوف، محقق استاذ و شارح حدیث، عالم بے بدل، علم ظاہر وباطن کے جامع، حضرت شیخ الہند کے

☆ R-274/17 ، ایف بی ایریا، کراچی

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

جانشین اور صدر مدرس دارالعلوم دیو بند (سابق) تھے، اور دارالعلوم دیوبند سے سبکدوش ہونے کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں نئے سرے سے مسند درس آراستہ کرکے اسلاف کے محدثانہ کارناموں کو زندہ جاوید بنانے اور حدیث کے قدیم مآخذ کو تصحیح تحقیق اور ترتیب و تالیف کی خلعت پہنا کر مطلع اشاعت پہ جلوہ گر دیکھنا چاہتے تھے۔ نیز اس زمانہ میں (وقتی طور پر) جو جمود و اضمحلال پیدا ہوگیا تھا اسے رفع کرکے علوم وفن حدیث کی شان دوبالا کرنا چاہتے تھے۔

اپنے محل وقوع کے اعتبار سے، پہلے پہل، چونکہ یہ ادارہ (المجلس العلمی) اصلاً ''الجامعۃ الاسلامیۃ'' ڈابھیل سے منسلک و ملحق ایک ذیلی ادارہ کی حیثیت سے قائم ہوا تھا۔ اس لیے یہ ادارہ '' مدرسہ اسلامیہ تعلیم الدین'' ڈابھیل و سملک (سورت، گجرات) کے احاطہ میں واقع تھا۔ گجرات، سورت، مدرسہ اسلامیہ تعلیم الدین اور الجامعۃ الاسلامیۃ ڈابھیل بجائے خود تاریخ ہند، تاریخ ملت اسلامیہ تاریخ علوم اسلامی اور تاریخ اشاعت حدیث کے ایسے روشن حوالے ہیں جن سے بالغ نظر اہل علم اور شایقین یقیناً واقف ہونگے۔[۱] ان کی تفصیل کا تو یہ مقالہ متحمل نہیں ہوسکتا۔ البتہ چونکہ '' المجلس العلمی'' مدرسہ تعلیم الدین (گجرات کے علاقہ میں سورت کے قریب ڈابھیل) کے احاطہ میں واقع اور الجامعۃ الاسلامیۃ سے منسلک وملحق تھی(جیسا کہ اوپر بھی بتایا گیا) نیز اس کی تاسیس الجامعۃ الاسلامیہ کے عہد عروج میں ہی بہ تقاضائے حالات عمل میں آئی تھی۔ اور اس کا ابتدائی سفر بھی وہیں سے شروع ہوا تھا۔ اس لیے بعض ناگزیر تفصیلات کا خلاصہ بیان کرنا بے محل شمار نہ ہوگا۔

(۲)

گجرات، ہندوستان میں وہ خطّہ ہے[۲] جہاں اسلام کی روشنی سب سے پہلے پہنچی[۳] کیونکہ بقول مولانا سید سلیمان ندویؒ (م ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء) ''صدیوں پہلے اہل عرب تاجر اور سوداگر کی حیثیت سے سندھ اور ملیبار سے لیکر گجرات تک بحر ہند کے پورے سواحل پر پھیل گئے تھے اور وہ اپنے ساتھ اپنا دین اپنا قرآن اور اپنے علوم بھی لائے تھے اور اس سے سالہا سال پہلے کہ اسلام کا کوئی تیغ زن سپاہی اس سرزمین پر قدم رکھے یہاں مسلمان عربوں اور عراقیوں کی نوآبادیاں قائم تھیں اور مسجدیں آباد تھیں۔ یہی مسجدیں اسلام کی ابتدائی درسگاہیں تھیں جنہیں وہ بیٹھ کر قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آوازہ بلند کرتے تھے''۔[۴] ۴۳۰ھ/۱۰۳۸ء میں اس شہر میں ایک مدرسہ قائم ہوچکا تھا جو بعد میں مولانا اسحاق کے مدرسہ کے نام سے مشہور ہوا۔[۵] گجرات کے مدارس کے فخر کے لیے یہ کافی ہے کہ ان میں حافظ سخاوی اور ابن حجر مکی کے تلامذہ حدیث کی اشاعت و تدریس کی خدمت

سرانجام دیتے تھے شیخ علی متقی (م۹۷۵) مؤلف کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، ملا محمد طاہر فتنی(پٹنی) م ۹۸۶ھ مصنف مجمع البحار، مفتی قطب الدین م۹۹۹ھ مصنف البرق الیمانی اور الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام اور محمد بن عمر آصفی مصنف ظفر الوالہ بمظفر و آلہ وہ فضلائے دہر ہیں جنھوں نے گجرات کے مدارس میں تعلیم پاکر حجاز جاکر وہاں کے علماء سے سند فراغت حاصل کی اوراپنی تصانیف سے ہندوستان کا نام عرب ممالک میں روشن کیا''۔(۶) بہر حال خطہ گجرات میں علوم و فنون کا غلغلہ شاہان گجرات کی علمی قدر دانی کا نتیجہ تھا۔(۷) اس کا اثر یہ بھی ہوا کہ'' شیراز و یمن و دیگر ممالک اسلامی کے چیدہ و برگزیدہ علماء نے گجرات میں آکر بود و باش اختیار فرمائی جن کے فیوض سے چند دنوں میں گجرات مالامال ہوگیا اور خود گجرات میں اس پائے کے علماء پیدا ہوئے جن کے فیوض علمی کی آبیاری سے ابتک ہندوستان کی درسگاہیں سیراب ہورہی ہیں''۔(۸)

یہ تو گویا اس کا ماضی تھا لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزوں کے قدم ہندوستان کی سرزمین پر مضبوطی کے ساتھ جم گئے تو مسلمانوں کے سیاسی زوال و انحطاط کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے دین ومذہب معاشرہ علوم و فنون سب پر زوال آ گیا۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مہتمم اوّل مولانا احمد بزرگؒ کے مطابق '' کسی زمانہ میں گجرات علوم و فنون کا سرشمہ ومخزن تھا اور علماء و فضلاء کا ماویٰ ومسکن تھا جن کے فیوض علمیہ سے ہزاروں تشنگان علوم سیراب ہوا کرتے تھے اور جن کی تفصیلات آج بھی طالبان ہدایت کے لیے مشعل ہدایت ہیں''۔(۹) وہ آگے لکھتے ہیں'' ازمنہ ماضی میں چونکہ سورت کو باب مکہ ہونے کا شرف حاصل تھا اس لیے ہندوستان کے ہر گوشہ سے ارباب فضل و کمال اولیاوصلحاء کے قدوم میمنت لزوم سے اس سرزمین کو شرف حاصل ہوتا تھا''۔(۱۰) وہ مزید رقم طراز ہیں:

> ''مگر انقلاب زمانہ جہاں مسلمانوں کی سلطنت ملک ملت صنعت و حرفت کو تباہی کے ہولناک سیلاب میں بہالے گیا وہیں اس سرزمین کی خصوصیت کو بھی خاک میں ملادیا۔ شاہان گجرات کی سلطنت کے زوال کے ساتھ ساتھ علماء ربانی اور صلحاء حقانی کہ جن کا وجود سلطنت سے زیادہ باعث خیروبرکت تھا رخصت ہوگئے••• یہی شہر جو کبھی دارالعلوم تھا دارالجہل بن گیا لوگوں کے عقائد بگڑ گئے امور شرکیہ وبدعیہ دین کے ہر گوشہ میں رچ بس گئے''۔(۱۱)

(۳)

مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل(۱۲) سملک کا آغاز سملک کی ایک مسجد میں مکتب کی شکل میں ہوا۔

جس کے بانی (اسی موضع کے رہائشی عالم دین) مولانا احمد حسن بھامؒ تھے۔[۱۳] اس کا افتتاح ایک بڑے مجمع میں ان کے استاد حضرت مولانا صوفی احمد میاں لاجپوری نے اپنے دست مبارک سے کیا۔[۱۴] مدرسہ اسلامیہ تعلیم الدین رفتہ رفتہ توسیع و ترقی کے مدارج طے کرتا رہا اور طلباء کے ساتھ ساتھ مدرسین و ملازمین کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ عربی، فارسی، اردو، قرآن شریف اور گجراتی کی تعلیم، تجوید کا انتظام کیا گیا عام مسلمانوں میں دین کا ذوق اور عملی شوق پیدا کرنے کے لیے انھوں نے ایک ماہوار رسالہ '' الدین'' کے نام سے جاری فرمایا۔ اس رسالہ نے مسلمانوں کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔[۱۵]

مدرسہ کی تأسیس چند محبین و مخلصین کی معاونت میں بڑی مفلوک الحالی میں ہوئی تھی(چندے کی ہنڈیا بستی کے گھر گھر میں رکھی گئی تھی) وسائل نہ ہونے کے برابر تھے اس لیے ترقی کے باوجود چند در چند مشکلات کا سامنا رہتا تھا ۔ بہر حال کچھ ہی عرصہ میں درس و تدریس کے لیے مسجد ناکافی ہوگئی اور ضرورت ہوئی کہ مدرسہ کے لیے ایک مستقل اور وسیع جگہ حاصل کی جائے ۔ چونکہ مولانا احمد حسن بھامؒ کے ذہن میں اصلاً ایک عظیم الشان جامعہ کا تصور تھا اس لیے بڑی جدوجہد کے بعد ڈابھیل کی غربی جانب عیدگاہ کے مقابل ایک وسیع قطعہ زمین خریدا گیا جہاں آج یہ جامعہ قائم ہے۔[۱۶] زمین مل جانے کے بعد آپ نے سب سے پہلی مسجد تعمیر کرائی ایک ہال طلباء کے قیام کے لیے اور چند کمرے بنوائے مزید درسگاہوں کی تعمیر ، دوسری عمارات اور ضروریات کی تکمیل مالی تعاون کی سخت ضرورت تھی جس کے لیے آپؒ نے مقامی اور جنوبی افریقہ میں مقیم تجار حضرات کے مشورہ سے جنوبی افریقہ کا سفر اختیار فرمایا اور کچھ عرصہ قیام فرما کر مدرسہ کی تعمیرات وغیرہ کے لیے ایک گرانقدر رقم جمع کرکے وطن بھجوادی۔ افسوس کہ ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور انفلوئنزا میں مبتلا ہو کر وہیں ۱۰ محرم ۱۳۳۷ھ / (اکتوبر ۱۹۱۸ء) کو انتقال فرمایا۔ تدفین جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں ہوئی۔[۱۷] مدرسہ کے انتظام وانصرام کے لیے افریقہ جاتے وقت مولانا احمد حسن بھام دو حضرات (حاجی احمد پٹیل اور حاجی ابراھیم) کو اپنا قائم مقام بنا گئے تھے، دونوں نے حسب استطاعت خدمت کی۔ تاہم مولانا موصوف کی وفات کے بعد حاجی یوسف صاحب افریقہ سے آئے اور مدرسہ کا انتظام سنبھالا[۱۸] مولانا احمد حسن بھام کے انتقال کے دو سال بعد ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں مولانا احمد سملکی کو رنگون سے بلا کر مہتمم بنایا گیا۔[۱۹]

مولانا احمد بزرگؒ کا دور اہتمام (۲۳/شعبان۱۳۳۹ھ تا ربیع الاوّل ۱۳۶۱ھ) میں یعنی ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۸ء تک[۲۰] ظاھری و باطنی تعمیر و ترقی کے تیز ترین مراحل سے گذر کر بالآخر ''جامعہ اسلامیہ

ڈابھیل'' کی حیثیت سے جلوہ گر ہوا اور ایک معمولی مدرسہ جامعہ بن کر ملک کے عظیم مدارس میں شمار ہونے لگا۔

مدرسہ اسلامیہ تعلیم الدین کو جامعہ بنانے کی آرزو اس کے بانی مولانا احمد حسن بھام ۱۳۳۷ھ کی بھی تھی لیکن وہ اپنی زندگی میں اس نخل تمنا کو پروان چڑھتے نہ دیکھ سکے ۔ لہذا جس شخصیت نے مدرسہ تعلیم الدین کو الجامعۃ الاسلامیہ کے قالب میں ڈھالا وہ مولانا احمد بزرگ سورتی تھے۔(۲۱) جو اس وقت مدرسہ کے مہتمم تھے اور انھوں نے ہی یہ کارنامہ انجام دیا کہ ڈابھیل و سملک کے معززین، علماء فضلاء اور مخیّر حضرات کا ایک وفد لیکر علامۃ العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت میں دیوبند گئے(۲۲) اور ان سے یہ درخواست کی کہ حضرت موصوف (نے چونکہ اب دارالعلوم دیوبند سے سبکدوشی اختیار فرما لی ہے اس لیے) اپنے ساتھی علماء سمیت ''فی خدمۃ الملۃ و درس الحدیث''(۲۳) مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل سے وابستہ ہوجائیں۔ وفد کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور حضرت الشیخ مع احباب آمادہ ہوگئے یہانتک کہ وہ ۵/ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ / (مئی ۱۹۲۸ ء کو ڈابھیل تشریف لے آئے(۲۴) اور یوں وہ خواب جو مہتمم مدرسہ نے رمضان ۱۳۴۶ ھ کو دیکھا تھا(۲۵) اور اس میں جو اشارہ غیبی پنہاں تھا۔ وہ دو تین ماہ بعد وجود و شہود کی منزل پر جلوہ گر ہوگیا(۲۶) اور بظاہر ایک معمولی مدرسہ (تعلیم الدین) یکا یک '' الجامعۃ الاسلامیہ ڈابھیل'' کا روپ اختیار کرگیا۔ مدرسہ کی مطبوعہ سالانہ رودادیں بھی گواہ ہیں کہ مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اور ان کی معیت میں دوسرے اکابر دیوبند کی تشریف آوری (۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸) کے ساتھ ہی مدرسہ جامعہ میں منقلب ہوگیا(۲۷) اور اس ادارہ نے ایسی حیرت انگیز ترقی کی کہ محض چند سالوں میں اس کے علمی فیضان سے نہ صرف یہ کہ گجرات کا چپہ چپہ سیراب ہوا بلکہ وہ بدعت کدہ قرآن و سنت کی روشنی سے منور ہوگیا بلکہ پورے برصغیر پر اس کے بڑے خوشگوار اثرات رونما ہوئے اور اس کی شہرت و ناموری دوسرے ممالک تک جاپہنچی اور طلباء و شائقین وہاں سے دھڑا دھڑ آنے لگے(۲۸) اور بقول مولانا قاری طیب صاحب اس ادارہ نے دارالعلوم دیوبند ثانی کا مرتبہ حاصل کرلیا۔ چنانچہ ۱۰/ شعبان ۱۳۴۷ھ کو جب اس کا پہلا جلسہ (تقسیم اسناد) دستار فضیلت ہوا تو اس میں بمبئی سے لیکر احمد آباد تک کے تقریباً چار ہزار افراد علماء ، فضلا ء حضرات شریک ہوئے تھے۔(۲۹)

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی اس توسیع و ترقی میں اگرچہ اس کے لائق منتظم ومہتمم مولانا احمد بزرگ سورتی کا بہت حصہ ہے لیکن اس ادارہ کو چار چاند لگانے والی شخصیت اور بام شہرت پر پہنچانے والی اور موجب مرکزیت و مقناطیسیت بننے والی ہستی علامۃ الدھر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی تھی۔(۳۰)

وہ اپنی ذات میں انجمن ، جامع الصفات والکمالات تھے بیک وقت مفسر، محدث، متکلم ادیب، شاعر، خطیب، استاذ، مدرس، شارح، مصنف ، مؤلف، تصوف و طریقت کے امام، سلوک و معرفت کے شہباز، بے پناہ حافظہ کے مالک ،علم زہد و تقویٰ میں کامل ، عالمی شہرت کے حامل تھے وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے جانشین بنے اور دارالعلوم دیوبند کی صدارت پر تقریباً ۱۰ سال (۱۳۳۳ھ-۱۳۴۲ھ) جلوہ افروز رہے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ کے نزدیک ان کی مثال'' اس سمندر کی سی تھی جس کی اوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قیمت خزانوں سے معمور ہوتی ہے''۔ مصر کے مشہور زمانہ عالم سید رشید رضا جب دیو بند کی زیاررت کے لیے آئے اور شاہ صاحب سے ان کی ملاقات ہوئی بڑے متعجب ہوئے اور بے ساختہ بار بار کہتے رہے: **ما رایت مثل ھذاالاستاذ الجلیل.**[۳۱] مولانا احمد رضا بجنوری فاضل دیو بند اور المجلس العلمی (ڈابھیل کے ناظم) کے بیان کے مطابق ''علامہ کوثری اور علامہ اقبال کا یہ احساس مبالغہ سے خالی ہے کہ'' حضرت شاہ صاحب ایسا محقق پانچ سو سال کے اندر پیدا نہیں ہوا۔ اور علامہ محدث علی حنبلی مصری کا یہ ارشاد بھی ایک حقیقت ہے کہ ''حضرت شاہ صاحب کے علاوہ اس درجہ کا میں نے کوئی نہیں دیکھ جو امام بخاریؒ ، حافظ ابن حجر، علامہ ابن تیمیہؒ ، ابن حزمؒ اور شوکانی وغیرہ کے نظریات پر تنقیدی نظر و محاکمہ کرسکتا ہو اور ان حضرات کی جلالت قدر کا پورا لحاظ رکھ کر بحث وتحقیق کا حق ادا کرسکے۔[۳۲] مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ بھی حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کو عالم اسلام کی ان ہستیوں میں شمار کرتے ہیں جن کی نظیر، علم وفضل، دقت نظر، وسعت مطالعہ کے اعتبار سے اس صدی میں تو کیا اگلی چند صدیوں میں بھی کم ہی ملے گی۔[۳۳]

(۴)

تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مہتمم صاحب کے انتظام اور صدر المدرس حضرت الشیخ انور کی مقناطیسیت و مرکزیت کے باوجود پس پردہ اصل کارفرما شخصیت حضرت مولانا محمد بن موسیٰ میاں سملکی ثم افریقیؒ کی تھی[۳۴] جامعہ کے انتظام و انصرام کی سرگرمی، شہرت و ناموری کی تنویر اور حضرت الشیخ کی فیض رسانی کے لیے ماحول پیدا کرنے میں سب سے زیادہ حصہ میاں صاحب موصوف کا تھا۔ آنجناب کی مالی معاونت ، فیاضی و کشادہ دلی، اور ہر کام کے لیے آگے بڑھ کر مادی وسائل کی مسلسل فراہمی کے لیے ان کے عطیات اور کوششوں کے ثمرات کے سبب جامعہ کی شان دوبالا ہوتی رہی، اس کی مادی ترقی، تعمیراتی جمال ، اور تعلیمی تبلیغی اور تحقیقی سرگرمیوں کے لیے انفاق کی فصل لہلہاتی رہی اور پورا چمن علم وتحقیق مہکتا رہا ۔چنانچہ جامعہ کے اس عرصہ شہرت وناموری میں وہ لمحہ تاریخی آیا جب کہ حضرت مولانا محمد بن موسیٰ میاں سملکی کے ہاتھوں جمادی الاوّل

۱۳۵۰ھ/اکتوبر ۱۹۲۱ء میں ''المجلس العلمی'' کی تاسیس عمل میں آئی ۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا اور بانی مجلس حضرت مولانا محمد بن موسیٰ میاں کی شخصیت مدرسہ اسلامیہ تعلیم الدین ، الجامعۃ الاسلامیہ اور المجلس العلمی کی تمام کہانیوں کا مرکزی کردار، ہیرو، نقطہ پرکار اور مرکزہ (Nucleus) تھی۔

المجلس العلمی کو مولانا محمد بن موسیٰ میاں نے دراصل حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری کی دیرینہ خواہش پر ان کے اعزاز میں بطور ہدیہ نیاز، ان ہی کی سرپرستی میں قائم کیا تھا۔ (جس طرح آج کل جامعات میں چیئر قائم کرنے کا رواج معروف ہے) لیکن اس کا نام اور عنوان '' المجلس العلمی'' رکھا۔ جو اس ادارہ کی نسبت کسی شخصیت سے قائم نہیں کرتا بلکہ اس علمی وتحقیقی روایت کی پاسداری پر مبنی ہے جو ہمیشہ سے اسلاف کا خاصہ رہا ہے۔ پھر حضرت شاہ صاحب کی شخصیت اور ان کے کارنامے علم وتحقیق کی اس روایت کا تسلسل ظاہر کرتے ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی سے شروع ہوکر دارالعلوم دیوبند کے شیوخ و علماء کے توسط سے الجامعۃ الاسلامیہ ڈابھیل تک ممتد ہوئی اور علم و نور کا اجالا پھیلاتی چلی گئی (شاید اسی لیے المجلس العلمی کے تحقیقی تصنیفی طباعتی و اشاعتی پروگرام میں ایک حصہ حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی کی تصنیفات و تالیفات کے لیے خاص کیا گیا۔[۳۵]

مولانا محمد بن موسیٰ میاں خود فرزند دارالعلوم دیوبند تھے۔ دوران تعلیم ہی شاہ صاحب قبلہ کی محبت وعقیدت ان کے دل میں گھر کرگئی، شاگرد ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے خادم خاص بھی تھے۔ شاہ صاحب کی خدمت ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ انہوں نے شاہ صاحب کی زندگی کا رنگ اپنے اوپر ایسا غالب کرلیا تھا کہ نشست و برخاست، چال ڈھال، بات چیت اور تمام طور طریق میں ہوبہو اپنے استاذ کا نمونہ بن گئے تھے۔ ایک طرف استاذ سے شیفتگی و محبت کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف وہ خود بھی علوم اسلامی کی نشر و توزیع کے شوقین تھے۔ چنانچہ تعلیم سے فارغ ہوکر جوہانسبرگ چلے گئے ۔ وہاں اپنے وسیع ترین تجارتی کاروبار کے ساتھ ساتھ بڑے پیمانے پر دینی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ اسلامی اور عصری علوم کی تعلیم کے لیے جوہانسبرگ (Pretoria Road) پر واٹر فال انسٹی ٹیوٹ (Waterval Islamic Institute) قائم کیا گیا۔ اس کے لیے عالیشان عمارت تعمیر کرائی۔ انسٹیٹیوٹ کے تمام مصارف اپنے پاس سے پورے کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے طریقے کے مطابق مفت تعلیم کے ساتھ طلباء کے خورد و نوش کا انتظام بھی ان کی جانب سے ہوتا تھا۔ جمعیۃ علماء الترانسفال' کے ہمیشہ صدر رہے۔[۳۶] حضرت مولانا شاہ کشمیری اور دیگر اکابر دارالعلوم جس زمانہ میں دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کرچکے تھے اور کسی اور مسند فضیلت پر رونق افروز نہ ہوئے تھے وہ تمام حضرات شعبان ۱۳۴۶ھ میں مولانا محمد بن موسی میاں کی شادی میں شرکت کے لیے ہی ڈابھیل تشریف لائے تھے۔

پھر یہی موقع ان حضرات علماء کی مدرسہ تعلیم الدین سے وابستگی کا سبب بن گیا۔ اور آخر کار تین ماہ بعد وہ مدرسہ (ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ) میں ان تمام حضرات کی مکرر تشریف آوری سے جامعہ اسلامیہ کی صورت اختیار کر گیا(۳۷) اور جب جامعہ میں علم وفضل کی بہار آ گئی تو چار سال بعد انہوں نے استاذ جلیل کی مزید خدمت اور ان کے علوم و معارف کی نشر و اشاعت کے لیے ۱۳۵۰ھ میں مجلس علمی قائم کردی اور مولانا سید احمد رضا بجنوری کو بلوا کر بطور ناظم کام ان کے سپرد کردیا۔

المجلس العلمی کی یہ ''شان نزول'' اس مجلس کے بانی مولانا محمد بن موسیٰؒ نے ۶/مارچ۱۹۵۷ء کے اپنے ایک طویل مکتوب میں خود املا کرائی اور اسے مجلس علمی، کراچی کے ناظم مولانا محمد طاسین صاحب کو اس صراحت کے ساتھ روانہ کیا کہ '' یہ مختصر سرگذشت اس لیے عرض ہے کہ کبھی اگر مجلس کے تعارف کرانے کی کہیں ضرورت پیش آئے تو اس کو صحیح طور پر بیان فرما دیا جائے''۔ یہ امر اس ناچیز راقم الحروف کے لیے باعث فخر ومسرت ہے آج ۴۶ سال بعد آں موصوف کا فرمودہ اس مقالہ میں جگہ پا رہا ہے اور اس کے مندرجات کو مشرف بہ صحت کررہا ہے۔(۳۸)

خط میں پیراگراف (۳) کی متعلقہ عبارت بہ غرض سہولت درج ذیل ہے:

(۳) ''غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ مرحوم الاستاذ شیخ محمد انور الکشمیریؒ بار بار درس میں فرماتے تھے کہ اللہ تعالی تلامذہ میں سے کسی صاحب سواد کو یہ ہمت و توفیق نصیب فرمائے کہ ان کی یادداشتوں کو تخریج حوالہ جات کے ساتھ مرتب و صاف تبیض کردے اور ان میں سے ضرورت کی چیزوں کو شائع کردینے کے لیے ذرائع مہیا ہوں۔ ۱۹۳۰ء میں بزمانہ قیام ڈابھیل و سملک حسن اتفاق سے والدین مرحومین کی طرف سے ایک معتدبہ مبلغ وصول ہوئی جسکو مناسب سمجھا گیا کہ اس مقصد خیر میں لگادیا جائے۔ فوراً ہی برادر عزیر مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری کو بلالیا گیا کہ وہ آکر اس کام کو شروع فرمادیں اور بفضلہٖ تعالی اس مفید کام کی بنیاد بلا کسی تدبیر ومنصوبہ سازی کے غیر احتسابی طور پر پڑگئی''۔ اور اس طرح ایک استاذ اور شیخ کے نخل تمنا کو ایک سعادت مند شاگرد کی ہمت و توفیق نے چاندنی کے گلدان میں سجا کر پیش کردیا کہ اس کی زمین اخلاص میں اپنے ہاتھوں سے ثبت کردیں۔

المجلس العلمی کا قیام ایک الگ ادارہ کی حیثیت سے عمل میں آیا مگر وہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے ملحق و منسلک تھا۔ خود بانی مجلس کی تجویز کے مطابق مولانا سید احمد رضا بجنوری(۳۹) اس کے ناظم مقرر ہوئے (اور جامعہ کے بیشتر اساتذہ اس کے اراکین شمار ہوئے جو جامعہ میں تدریسی فرائض کے علاوہ تصنیف وتحقیق کا کام المجلس العلمی کے تحت کرتے تھے) مجلس کا دفتر جامعہ اسلامیہ کے احاطہ میں

واقع تھا۔ مندرجہ ذیل حضرات گویا اس کے خاص اراکین کی حیثیت رکھتے تھے:۔

(۱) صدر مجلس و سرپرست حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

(۲) حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

(۳) حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ

(۴) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی

(۵) مولانا محمد یوسف کاملپوریؒ

(۶) مولانا محمد یوسف بنوریؒ (جو ۱۳۴۷ھ میں اسی جامعہ سے فارغ التحصیل ہوکر وطن چلے گئے تھے۔ ناظم مجلس کی کوششوں سے ۱۳۵۳ھ میں مدرس بن کر جامعہ میں آئے اور مجلس علمی کے کام کو سنبھالا)

(۷) مولانا سید احمد رضا بجنوری (ناظم مجلس) ادارہ کی ضرورت و مقاصد کے بارے میں مولانا بجنوری اپنے خود نوشت تعارفی کتابچہ میں رقم طراز ہیں:۔

''ایسے اسلامی ادارہ کی ضرورت مسلم تھی جو نادر علمی ذخائر کو بہم پہنچا کر ان کی ترتیب تصحیح و طباعت و اشاعت کا کفیل ہو۔ چنانچہ مجلس علمی کی تأسیس اسی اہم مقصد کی تکمیل کے لیے عمل میں آئی اور الحمدللہ اپنے فرائض کے کامل احساس کے ساتھ اب تک قائم ہے''۔

وہ مجلس کے اہم مقاصد کو (۴) نکات میں اس طرح منضبط کرتے ہیں:۔

(I) اکابر امت کے نادر و نایاب علمی ذخائر کو طبع کراکر شائع کرنا۔

(II) مسلمانوں کی وقتی اہم ضرورتوں کے مطابق مفید علمی و مذہبی تصانیف شائع کرنا۔

(III) طبقہ علماء، طلباء، مدارس اسلامیہ اور دوسرے علم دوست حضرات کے لیے ان کے علمی ذوق کو ملحوظ رکھ کر مفید اور اہم کتابیں شائع کرنا۔

(IV) تمام مفید علمی و مذہبی کتابوں کو حتی الوسع قابل وثوق تصحیح عمدہ کتابت اور دیدہ زیب طباعت کے ساتھ اعلیٰ کاغذ پر شائع کرنا۔[۴۰]

۱۳۵۰ھ میں، حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کی سرپرستی و سرکردگی میں مجلس علمی کے قیام کے بعد تحقیقی تالیفی اور طباعتی سرگرمیوں کا باقاعدہ آغاز ہوگیا۔ خود شاہ صاحب کے نئے پرانے متعدد رسائل ابتدائی سالوں میں ہی شائع ہوگئے۔ مثلاً اکفار الملحدین (۱۳۵۰ھ) عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسی علیہ السلام (۱۳۵۰ھ) نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین (۱۳۵۰ھ) بسط الیدین نیل الفرقدین (۱۳۵۱ھ)

تحیۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی علیہ السلام (۱۳۵۱ھ) مرقاۃ الطارم لحدوث العالم (ضرب الخاتم علی حدوث العالم کی منظوم تصنیف ۱۳۴۵ھ کی نثر میں شرح) ۱۳۵۱ھ اور ۱۳۵۱ھ میں ہی (رسالہ فارسی میں) خاتم النبیین (جسے شاہ صاحب خود اپنے لیے زاد راہ قرار دیتے تھے) شاہ صاحب کی آخری تصنیف کے طور پر تیار تھا مگر آپ کے وصال کے بعد ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوا۔(۴۱) شاہ صاحب کے علاوہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ م۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء) کی ضخیم تصنیف نورالبصر فی سیرۃ خیر البشر (۳۵۰ صفحات پر مشتمل شاہ انور شاہ صاحب کی فرمائش پر) ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوئی۔ پہلا ایڈیشن شائع ہوا تو شاہ صاحب نے خود بڑی تحسین فرمائی۔(۴۲) اسی سال مولانا شبیر احمد عثمانی کی الروح فی القرآن (۱۳۵۰ھ) اور فارسی میں محمود التبریزی کی حق الیقین ۱۳۵۱ھ میں شائع ہوئی۔(۴۳) حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ نے ڈابھیل میں ۱۳۴۶ ھ میں صدر مدارس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے قدم رنجہ فرمایا تھا آپ کی حیات مستطاب (انتقال صفر ۱۳۵۲ھ) تک نہ صرف یہ کہ جامعہ اسلامیہ کے طلباء مستفید ہوئے بلکہ تمام خطہ گجرات فیضاب ہوا۔ اس ۵ سال کے عرصہ میں ۲۴۱ طلباء نے صحیح بخاری پڑھ کر فراغت حاصل کی اور ملک کے اطراف وجوانب میں اشاعت دین وعلم حدیث کے لیے پھیل گئے۔ شاہ صاحب کی تقاریر بخاری کو حضرت مولانا بدرعالم میرٹھیؒ (م ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء) نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے احاطہ میں ہی قلمبند کیا۔ مولانا بدر عالمؒ نے شاہ صاحب سے ۱۹۳۹ھ میں بخاری پڑھی تھی لیکن اس کے بعد بھی سماعت کیا کرتے تھے۔ شاہ صاحب نے ۱۳۴۳ھ میں اپنے ہاتھ سے جو سند مولانا بدر عالمؒ کو لکھ کر دی تھی وہ مقدمہ فیض الباری (ص۷۷) پر درج ہے۔ جس کے مطابق تین مرتبہ تین سالوں میں قرأت و سماعت کی اس کے بعد بھی کم از کم سات سال شاہ صاحب کی خدمت میں رہ کر مزید استفادہ فرمایا۔ اس طرح دس سال کے اندر مختلف تقریریں شاہ صاحب کی نوٹ کی تھیں۔ پھر مولانا عبدالقدیر کامل پوری اور مولانا عبدالعزیز کامل پوری (جو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے فارغ ہوئے) کی ضبط کی ہوئی تقریریں حاصل ہوگئیں۔ غرض حضرت مولانا بدر عالم نے فیض الباری کی چار جلدیں دن رات کی محنت سے صرف دو سالوں (۱۳۵۳ھ / ۱۳۵۴ھ) میں مرتب کیں ۔ ان دو سالوں میں نصف وقت پڑھاتے تھے اور نصف تنخواہ لیتے تھے۔(۴۴) تاہم فیض الباری حضرت الشیخ کشمیری کے انتقال کے بعد مجلس علمی کے تحت ادارہ جمعیۃ علماء الترانسفال جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ) کے خرچ پر مطبعہ حجازی قاھرہ (مصر) سے ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی۔

اس تفصیل سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ تحقیقی تصنیفی اور طباعتی و اشاعتی ادارہ کی حیثیت سے مجلس علمی کی کارگردگی اپنے قیام کے بعد سے مسلسل بڑھتی چلی گئی اور اس کے ذریعہ نہ صرف یہ

کہ (مولانا محمد بن موسی میاں کی خواہش کے مطابق) حضرت مولانا انور شاہ صاحب کے علوم ومعارف کی، خوب اشاعت ہوئی بلکہ قرآن اور حدیث، فقہ و فتاوی، حکمت و معرفت، آثار و سنن، اسرار، مصالح اور دیگر آثار علمیہ زیور طبع سے آراستہ ہوئے جس کا کچھ اندازہ فہرست مطبوعات سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

(۲)

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے انتقال کے بعد المجلس العلمی کی سرپرستی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی ۱۳۶۹ھ /۱۹۴۹ء فرماتے رہے۔ جن کے اوصاف و کمالات کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔[۴۵] تاہم ان کی مشہور ترین تصنیفات میں سے صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم ہے جس نے علمی دنیا میں انھیں لازوال شہرت عطا کی اور عالم اسلام اس کی تعریف وتحسین سے گونج اٹھا۔ فتح الملہم کی تحریر و تقریر کا زمانہ طویل ہے تاہم فتح الملہم کی پہلی جلد ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں طبع ہوئی،دوسری جلد ۱۳۵۴ ھ/ ۱۹۳۵ء میں اور تیسری ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی یہ تمام مدت مولانا کے قیام ڈابھیل ہی کی ہے۔[۴۶] المجلس العلمی کے دیگر اعیان و ارکان میں اگرچہ وقتاً فوقتاً تبدیلی آتی رہی لیکن علوم اسلامی کی طباعت و اشاعت اور نادر علمی ذخائر کی دریافت کا سلسلہ برابر جاری رہا اور المجلس العلمی الجامعۃ الاسلامیۃ ڈابھیل کے افتخار میں ہمیشہ اضافہ کرتی رہی۔ چنانچہ مثلاً حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے ۱۳۵۳ھ میں جو اسی جامعہ کے فارغ التحصیل ہیں پھر یہاں مدرس و صدر مدرس رہے اور جو حضرت شاہ صاحب کے حقیقی جانشین قرار پائے)۔ جب الجامعۃ الاسلامیۃ بالگجرات کا قصیدہ لکھا تو المجلس العلمی کے حوالہ سے لکھا:[۴۷]

بک المجلس العلمی قد طاب نشره	بنشر لآلی العلم فهو مشیعها
اشاع تصانیف البجور ائمة	ثمینة ذخر کاد دهر یضیعها
فجد وقاسی فی اکتساب جواهر	فها هی اسرار العلوم رفیعها
فشکر لبانیه النبیل وناظم	لألی علم باجتهاد یذیعها

اسی جامعہ اسلامیہ کے ایک اور مدرس مولانا قاری حکیم محمد یامین النفحات الطیبۃ للجامعۃ العربیۃ کے عنوان سے خراج عیقدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:[۴۸]

شکرا المجلس علم قام ینشرها	شکرا الناظمه من کل عاطیها
قدهم بعض اولی علم فاسسه	خوف الضیاع علیها من دواهیها

شعبان ۱۳۵۲ھ / نومبر ۱۹۳۳ء میں سحبان الھند مولانا احمد سید صاحب جامعہ کے معائنہ کے لیے تشریف لائے تو تفصیلی تاثرات قلمبند فرماتے ہوئے لکھا کہ ''حضرت شاہ صاحب کی سرپرستی میں ایک مجلس علمی یہاں قائم کی گئی ہے جو اس وقت تک مختلف مباحث پر متعدد رسالے اور کتابیں ملک میں شائع کراچکی ہے اور اس کا کام اب تک جاری ہے۔(۴۹) حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ آٹھ سال بعد (شعبان ۱۳۷۰ھ/ جون ۱۹۴۱ء میں) جامعہ کے معائنہ کے لیے آئے تو رجسٹر معائنہ میں تحریر فرمایا۔ ''جامعہ کے اساتذہ نے ایک مجلس علمی قائم کر رکھی ہے جس کی خدمات کا میں خاص طور پر ممنون ہوں۔ انھوں نے ہمارے لیے شاہ ولی اللہ الدہلوی کی متعدد کتابیں چھاپ دی ہیں۔ ان کے اس وقت کے پروگرام کو دیکھ کر یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ ہمارے ہند میں نوجوان عالموں کی ایسی مجلس دوسری جگہ مشکل سے ملے گی بلکہ ہمارا خیال ہے کہ ہند سے باہر بھی عام مسلمان اس کی بڑی قدر کریں گے۔(۵۰)

مختصر یہ کہ المجلس العلمی جن مقاصد کے لیے قائم کی گئی تھی ان مقاصد کی تکمیل کے لیے اس کی پیشقدمی حضرت مولانا انور شاہ صاحب (انتقال ۱۲۵۲ھ / ۱۹۳۲ء) کے بعد بھی جاری رہی ۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت العلامہ کی رحلت سے کارکنان مجلس علمی میں مزید جوش و جذبہ پیدا ہوگیا۔

چنانچہ اگر ایک طرف فخر العلماء اور رئیس المتکلمین حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (رحلت شیخ کے بعد) جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے قائد و سرخیل اور صدر مدرس قرار پائے۔(۵۱) تو دوسری طرف المجلس العلمی کی سرپرستی و سرکردگی بھی انھوں نے فرمائی اور یہ سلسلہ اپنے قیام ڈابھیل (تقسیم ہند سے قبل ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء میں آنجناب کی ہجرت پاکستان) تک جاری رہا۔(۵۲)

مولانا سید احمد رضا بجنوری (داماد شاہ صاحب) مجلس علمی کے بدستور ناظم و نگراں (سیکرٹری) تھے۔ خود موصوف کے بیان کے مطابق ان ہی کی تحریک و تجویز پر مہتمم جامعہ کی منظوری کے بعد مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کو پشاور سے بلایا گیا۔(۵۳) (جو اسی جامعہ اسلامیہ سے فارغ التحصیل ۱۳۴۷ھ کے پہلے بیچ میں شامل تھے اور جنھوں نے اپنے اوصاف و کمالات کی بناء پر حضرت الشیخ کے حقیقی جانشین ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ اس وقت مجلس علمی کو العرف الشذی کی تصحیح و تخریج اور دیگر علمی کاموں کے لیے موصوف کی فوری ضرورت تھی) ناظم مجلس کی خود نوشت تصریح کے مطابق حضرت مولانا بنوریؒ نے ان کی اعانت و شرکت میں کئی کام انجام دیئے۔ مثلاً شاہ صاحب کی مکمل سوانح عمری (نفحۃ العنبر) مولانا بنوری نے فصیح وبلیغ عربی میں تالیف کی مجلس سے اسی وقت (۱۹۳۳ء/۱۳۵۳ھ)

شائع ہوگئی۔(۵۴) مولانا احمد رضا بجنوری کا مرتبہ و مستخرجہ شاہ صاحب کا رسالہ جو مشکلات القرآن کے نام سے ۱۳۵۷ھ سے قبل شائع ہوا اس پر محققانہ مقدمہ "یتیمة البیان لمشکلات القرآن" کے نام سے مولانا بنوری مرحوم نے تحریر فرمایا۔(۵۵) مولانا بنوریؒ کی ایک مستقل تحقیقی تالیف "**بغیة الاریب فی مسائل القبلة والمحاریب**" ہے جو بعد میں مصر سے طبع ہو کر شائع ہوئی لیکن (اسی زمانہ میں لکھی گئی۔ حضرت شاہ کی وفات کے بعد ہی حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ علیہ نے مجلس علمی کی تحریک پر فیض الباری مرتب کی اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب (گوجرانوالہ) نے نصب الرایہ کی تصحیح و تحشیہ کی خدمت انجام دی۔ ان تینوں کتابوں (بغیہ، فیض الباری، نصب الرایہ) کی مجلس علمی کی طرف سے طباعت کا انتظام کرنے کے لیے ناظم صاحب (مولانا احمد رضا بجنوری) اور مولانا بنوریؒ نے ۱۳۵۶، ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۷۔۱۹۳۸ء) میں بیرون ملک سفر اختیار کیا(۵۶) اور مصر کے علاوہ یونان، ترکی اور حجاز مقدس گئے۔(۵۷) بقول مولانا احمد رضا "دوران قیام مصر میں ہی چند روز کی فرصت نکال کر ہم دونوں استنبول بھی گئے اور وہاں کے تقریباً چالیس کتب خانوں میں حاضر ہوکر تفسیر حدیث رجال اصول وغیرہ علوم کے نوادر مخطوطات کی یادداشتیں مرتب کرکے ساتھ لائے تھے"۔(۵۸)

اوپر کی روداد سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ مجلس علمی کے تحت طباعتی و اشاعتی سرگرمیوں کی تنظیم میں خلوص، محنت، تحقیق و تدقیق اور جانکاری سے کام لیا گیا۔ اس کے لیے کتب خانہ بنیادی ضرورت تھا۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا کتب خانہ جو تقریباً ۳۰ ہزار کتابوں پر مشتمل تھا، نیز مجلس علمی کا اپنا الگ کتب خانہ تھا اور ضرورتاً ملک میں اور ملک سے باہر کتب خانوں اور دوسرے طباعتی و اشاعتی اداروں سے رابطہ قائم کرنا گویا معمولات میں داخل تھا۔ یہ ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ مولانا بجنوری مولانا بنوری کے ہمراہ بیرون ملک ۱۴ ماہ کے دورہ پر گئے اور وہیں مقیم رہ کر نہ صرف یہ کہ کتب خانوں کا دورہ کیا نیز مصر سے فیض الباری اور نصب الرایہ وغیرہ طبع کرائی بلکہ عربی رسائل و جرائد میں مضامین و مقالات چھپوا کر مجلس علمی اور جامعہ اسلامیہ کی شہرت کو پورے عالم اسلام میں پہنچا دیا(۵۹) مجلس علمی کے ایک اور فاضل رکن مولانا محمد یوسف کامل پوری نے امام حافظ جمال الدین زیلعیؒ ۷۶۲ھ کی علم حدیث میں مشہور کتاب "نصب الرایة فی تخریج احادیث الہدایة" کے مطبوعہ نسخہ کا مقابلہ حیدرآباد دکن کے کتب خانہ "سعیدیہ" میں موجود (قلمی نسخہ سے کرنے کے لیے (۱۳۵۲ھ میں) سفر اختیار کیا۔(۶۰)

اس زمانہ میں ہندوستان کے ملکی حالات بھی منقلب ہو رہے تھے، ۱۹۴۰ء میں قرار داد لاہور کی منظوری کے بعد تحریک آزادی میں نمایاں تیزی پیدا ہو چکی تھی۔ ادھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بھی حالات نیا رخ اختیار کر چکے تھے۔ ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء میں مولانا احمد بزرگ مستعفی ہو گئے اور جامعہ کا

دور ثانی آ گیا جو ۱۳۶۱ھ سے ۱۳۷۸ھ تک (۱۹۴۲ سے ۵۹-۱۹۵۸ء) رہا اور اس میں مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ مہتمم مقرر ہوئے۔ (ربیع الاول ۱۳۶۴ ھ / فروری ۱۹۴۵ء میں حضرت الشیخ مولانا شبیر احمد عثانی رحمہ اللہ علیہ سبکدوشی اختیار کرکے پاکستان روانہ ہوگئے۔ جامعہ اسلامیہ میں ان کی جگہ مولانا شمس الحق افغانی صدر مدرس مقرر ہوئے اور ۱۹۴۷ء / ۱۳۶۶ھ تک ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ تقسیم ہند کا اعلان ہوا اور اس کے نتیجہ میں پاکستانی متوطن علاقوں کے مشاہیر بھی اپنے اپنے وطن کو چلے گئے۔ مولانا بنوریؒ ۱۹۴۸ء / ۱۳۶۷ ھ میں صدر مدرس بن کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں پھر وارد ہوئے۔ ان کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ ظاہر ہے اہل جامعہ کے لیے وہ اجنبی نہیں تھے، اسی درسگاہ کے فارغ التحصیل، ۱۳۵۳ھ تا ۱۳۶۱ھ تک مجلس علمی کے رکن اور مدرس کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے تھے نیز مجلس علمی کے کاموں، فیض الباری، نصب الرایہ کی طباعت اور نفحۃ العنبر اور بغیۃ الاریب کی تصانیف کے سبب ان کی علمی لیاقت مشہور و مسلم ہو چکی تھی، علاوہ ازیں دارالعلوم دیو بند کی دعوت بھی قبول نہیں کی تھی اس لیے منتظمین جامعہ کی نگاہ انتخاب آپ پر پڑی اور آپ نے ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء میں صدر مدرس ہونا قبول کرلیا اور اسی حیثیت میں وہ شوال ۱۳۶۹ھ/ جولائی ۱۹۵۰ء تک اپنی ذمہ داریاں بحسن و خوبی نبھاتے رہے۔ مولانا یوسف بنوریؒ اسی سال (۱۹۵۰ء/ ۱۳۶۹ھ) حج بیت اللہ کے لیے حرمین تشریف لے گئے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل واپس نہیں گئے بلکہ وہیں سے ہجرت کرکے جنوری ۱۹۵۱ ء میں پاکستان چلے آئے۔[۶۱]

(۷)

انقلاب حالات کے تحت اب صورت حال یہ پیدا ہوئی کہ ایک طرف تو مجلس علمی کا پہلا مستقر ڈابھیل تھا جہاں یہ ادارہ مولانا محمد بن موسیٰ سملکی ثم افریقیؒ نے قائم کیا تھا اور جس کے دور اوّل کی روداد گذشتہ صفحات میں بیان ہوئی۔ ایک دوسرا مستقر جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ) میں تھا جہاں خود اس کے بانی کی رہائش، کاروبار، جائیداد املاک تھی اور واٹر فال اسلامک انسٹی ٹیوٹ عملاً قائم کر رکھا تھا اور ضمنی طور پر مجلس علمی کا بھی ایک دفتر طباعتی و اشاعتی انتظامات اور اجرائے ہدایات کے لیے قائم تھا۔ بلکہ اس کے بانی خود ''المجلس العلمی'' کا چلتا پھرتا دفتر تھے۔ حضرت مولانا انور شاہ کے انتقال، الشیخ عثانیؒ کی پاکستان ہجرت اور پھر مولانا بدر عالمؒ میرٹھی کی مہاجرت اور پھر ۱۹۴۵ء میں مولانا سید احمد رضا بجنوری کی سبکدوشی، تقسیم ہند اور بالآخر مولانا یوسف بنوریؒ کی پاکستان آمد اور اسی قسم کے دوسرے واقعات و حوادث اس طرح پیش آئے کہ مجلس علمی کے کاموں کی رفتار میں پہلے جیسی تیزی باقی نہ رہی، لیکن بہر حال ادارہ بھی قائم رہا اور آل موسیٰ کی ہمت مردانہ اور مستقلاتی عزائم میں کوئی کمی نہیں

آئی۔ چنانچہ مولانا محمد بن موسیٰ بانی مجلس اپنے مکتوب میں رقمطراز ہیں کہ ''لیکن حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد عمل کی رفتار سست ہوگئی اور کام کا رخ و معیار مذبذب و متغیر ہونے لگا حتیٰ کہ تقسیم ہند کے ہنگاموں میں کام بالکل بند ہوگیا اور گذشتہ آٹھ دس سال بیکار نکل گئے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اب دوبارہ حیات ثانیہ کے کچھ امیدافزا آثار سامنے آرہے ہیں۔ ''**اللھم زد و بارک**''۔

حیات ثانیہ کے لیے ایک کوشش تو بانی مجلس نے (تقسیم ہند کے فوراً بعد) ۱۹۴۸ء میں اس وقت کی، جبکہ ایک تو مجلس علمی کے پہلے ناظم (جو ڈابھیل سے ۱۹۴۵ ء میں سبکدوش ہوچکے تھے) یعنی مولانا سید احمد رضا بجنوری کو اور دوسرے حضرت الاستاذ کشمیری کے شاگرد خاص اور ان کے علوم کے جانشین یعنی حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کو جمع کیا، دونوں کی، بقول مولانا عبدالرشید نعمانیؒ، کراچی آمد ہوئی۔(۶۲) مولانا بجنوری کا بیان ہے کہ ''۱۹۴۷ ء کے انقلاب وتقسیم کے بعد ایک مرتبہ پھر سے ہمارے اجتماع اور مجلس علمی کراچی میں ایک ساتھ کام کرنے کی صورت بننے والی تھی اور بانی مجلس نے خود کراچی پہنچ کر ہمیں جمع کیا اورآئندہ کام کے پلان کی سعی کی مگر تقدیر الٰہی غالب آئی۔(۶۳) اس کے بعد مولانا بجنوری تو ہندوستان واپس چلے گئے اور مولانا بنوری ڈابھیل میں صدر مدرس بن گئے یوں کراچی میں مجلس علمی کا کام شروع نہ ہوسکا۔ البتہ اس کی سلسلہ جنبانی اس وقت شروع ہوئی جبکہ ۱۳۷۰ ھ / ۱۹۵۱ء میں مولانا بنوری نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے تعلق ختم کرلیا اور ہجرت کرکے پاکستان آگئے اور یہاں ان کے اپنے خود نوشت حالات کے مطابق ''دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار (حیدرآباد-سندھ) میں شیخ التفسیر کے منصب پر تقرر ہوا۔ وہاں تین برس کام کیا پھر وہاں سے مستعفی ہوکر کراچی چلا آیا اور یہاں اپنے بعض مخلص اکابر علماء کی رفاقت میں فارغ التحصیل حضرات کی تربیت کے لیے ایک علمی ادارہ قائم کیا''۔(۶۴)

ان ہی تین سالوں (۱۹۵۱ـ۱۹۵۴ء) کے دوران بالآخر وہ موقع بھی آگیا جبکہ ۱۹۵۲ء میں مجلس علمی کا ڈول ڈالا گیا اور مولانا محمد بن موسیٰ سملکی کی ملکیتی جائیدادوں میں سے ایک جگہ میری ویدر ٹاور (کراچی) کے نزدیک بیت الحمد (۱۴۰ بندرروڈ) میں المجلس العلمی کا کراچی مستقر وجود پذیر ہوگیا۔(۶۵) اس کا خوبصورت لیٹر ہیڈ مصر و قاہرہ کے خطاطوں قلمکاروں سے بنوا کر وہاں چھپوا کر جو حوبصورت رنگین دیدہ زیب تھا، افریقہ سے بھیجا گیا۔ جگہ بہت چھوٹی تھی۔ حالات سخت اور کام کا آغاز کرنا تھا۔ ڈابھیل سے کتابوں کی منتقلی اور دوسرے انتظامات کے لیے بہرحال ایک ٹھکانا درکار تھا وہ بہرحال میسر آگیا۔ اس زمانہ میں خود مولانا بنوریؒ صبر آزما حالات سے گذر رہے تھے۔ دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں حالات ساز گار نہ تھے جہاں وہ شیخ التفسیر کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے

تھے۔ اہل خانہ کے ساتھ رہائش وہیں تھی اور کراچی آنا جانا اتنا آسان نہ تھا لیکن یہ محض حسن اتفاق تھا کہ مجلس علمی کے معاملات کی ذمہ دارانہ دیکھ بھال کے لیے ملاقاتیوں میں سے حضرت کو ایک ایسے پڑھے لکھے علم و تحقیق کی لائن کے آدمی دستیاب ہوگئے جو ہر لحاظ سے موزوں تھے یعنی مولانا محمد طاسین صاحب۔(۶۶) جنھیں کراچی میں المجلس العلمی کا ناظم مقرر کیا گیا اور چند سال بعد ہی مولانا بنوری رحمہ اللہ نے انھیں شرف مصاہرت سے بھی سرفراز کردیا۔

مجلس علمی کی ابتدائی ضرورت جگہ کے علاوہ لائبریری کی تھی جس کے بغیر ان مقاصد کا حصول ممکن نہ تھا جو مجلس کے پیش نظر تھے اور جنھیں لیٹر ہیڈ کے سرنامہ میں چار نکات کی صورت میں نمایاں کیا گیا تھا یعنی: (۱) اسلامی تہذیب و ثقافت کا علمی وعملی احیاء (۲) اٰثار سلف صالحین اور علمی نوادر کی نشر و توزیع(۳) مسلمانوں کی ضرورت کے مطابق دینی علمی کتابوں کی تصنیف و تالیف اور (۴) عہد حاضر کی ضرورت کے مطابق کتابوں کے تراجم۔ ایک طرف تو ڈابھیل میں مجلس کے کتب خانہ سے کتابوں کی کراچی منتقلی کے انتظامات کئے گئے۔ آل موسیٰ کی ہدایت و انتظامات کے مطابق منتقلی وقتاً فوقتاً ہوتی رہی۔ مثلاً مجلس علمی ڈابھیل سے جناب محمد شفیع ابراہیم میاں نے ۱۵/نومبر۱۹۵۴ ء کے مکتوب میں مولانا طاسین صاحب کومطلع کیا کہ ’’کتبخانہ مجلس علمی کی سب کتابیں یہاں سے چلی گئی ہیں جس میں سے کچھ دادا بھائی کے ہاں ہیں اور کچھ بکس جہاں تک خیال ہے مولانا احمد رضا صاحب کے ہاں بجنور میں ہیں۔ گذشتہ دنوں میں مولانا عبدالرؤف صاحب کے ساتھ کتبخانہ مجلس کی کتابیں کراچی روانہ کی گئی تھیں جو پہنچی ہوں گی‘‘ (اصل خط مجلس علمی کراچی میں محفوظ ہے)۔ دوسری طرف یہاں مولانا محمد طاسین نے مجلس علمی لائبریری کے لیے شہر کے مختلف کتب فروشوں سے کتابیں خریدنا شروع کیں جس کا رجسٹر میں ’’بقلم خود‘‘ اندراج ہے اور ریکارڈ محفوظ ہے۔ چنانچہ پہلے صفحہ پر جو کتابیں اقبال بکڈپو سے ۲۰/ اپریل ۱۹۵۳ ء کو خریدی گئیں، ان کی فہرست مع قیمت و وضع کمیشن درج ہے اور نیچے اپنے دستخط بھی ثبت کئے ہیں۔

(۸)

سال ڈیڑھ سال کی شبانہ روز کوششوں کے نتیجہ میں المجلس العلمی کا تحقیقی تصنیفی ادارہ ابتدائی طور پر کتب خانہ کی صورت میں متشکل ہوگیا اور بیت الحمد کی جگہ ناکافی ہوگئی چنانچہ میاں فیملی کی ایک اور ملکیتی بلڈنگ میں جہاں ان کا کاروباری دفتر (MIA BROTHERS ہول سیل مرچنٹس اینڈ امپورٹرز) کے نام سے (پہلی منزل اولڈ الائنس بلڈنگ (پوسٹ بکس نمبر ۴۸۸۳ کراچی) تھا نسبتاً بڑی

جگہ میسر آنے پر لائبریری کی شکل میں المجلس العلمی کا مستقر وہی قرار پایا ۔ گویا اب مجلس علمی بیک وقت تین مقامات پر متحرک ہوگئی ایک جوہانسبرگ میں دوسرے ڈابھیل گجرات میں اور تیسرے کراچی میں، جس کی نشاندہی اس کے لیٹر ہیڈ سے بھی ہوتی ہے:۔

کراچی میں مجلس علمی کے سرپرست و سربراہ حضرت مولانا یوسف بنوریؒ اور اس کے ناظم مولانا محمد طاسینؒ تھے۔ مجلس کے تاسیسی اراکین میں یوسف موسی میاں، محمد موسیٰ میاں اور احمد موسیٰ میاں تھے اور ادارہ کے تحقیقی تصنیفی کام کو آگے بڑھانے کے لیے مندرجہ ذیل حضرات کو ارکان و افاضل کی حیثیت حاصل تھی:۔

۱۔ حضرت علامہ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی

۲۔ علامہ مولانا ابوالوفاء افغانی

۳۔ مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہاں پوری

۴۔ مولانا ادریس میرٹھی

۵۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب

۶۔ ڈاکٹر غلام محمد صاحب

مجلس علمی کے عمومی تمام معاملات کی دیکھ بھال، مولانا محمد بن موسی میاں صاحب سملکی کی ہدایات اور مولانا بنوری علیہ الرحمہ کی مشاورت کے مطابق مولانا محمد طاسین فرماتے تھے۔ بلکہ ان کی خدمات کا دائرہ وسیع تھا۔ چنانچہ میاں صاحب کی ہدایت کے مطابق ان کے عطیات مدارس، علما، فضلاء اور دیگر متعلقہ حضرات تک پہنچانا، زکوۃ و صدقات کی تقسیم، مطبوعات کی تیاری، مصنفین، محققین، مترجمین اور مختلف کتب خانوں سے رابطہ، تصحیح و پروف ریڈنگ کے انتظامات، طباعتی و اشاعتی اقدامات، حسابات مجلس کا خیال اور اہل علم سے رابطہ مطبوعہ کتابوں کی تقسیم و ہدایہ کی نگرانی وغیرہ مولانا طاسین صاحب پوری توجہ سے فرماتے جس پر میاں صاحب قبلہ فوری طور پر خط کے ذریعہ تشکر و امتنان ظاہر فرما دیتے تھے۔

مولانا طاسین کی ایک اہم ذمہ داری لائبریری مجلس علمی کی حفاظت، دیکھ بھال اوراہل علم و تحقیق کے لیے اسے نافع ومتحرک رکھنے کی تھی۔ لائبریری (میری ویدر ٹاور کے نزدیک اولڈ الائنس بلڈنگ میں بالائی منزل پر) واقع تھی اور محدود گنجائش کے چھوٹے بڑے دو کمروں میں محصور تھی۔ البتہ یہ انتظام کیا گیا تھا کہ شہر کے عام شائقین علم و علوم اسلامی، طلباء، اساتذہ، محققین، علماء فضلاء، حسب ضرورت

استفادہ کر سکیں۔ اس میں وہ ذخیرہ بھی موجود تھا جو مجلس علمی ڈابھیل سورت کے کتب خانے سے یہاں منتقل کیا گیا تھا اور نئی خریداری کے ذریعہ دستیاب کتابوں میں مسلسل اضافہ کی صورت بھی موجود تھی۔ کتابوں کی تعداد اگرچہ محدود چند ہزار جلدوں پر مشتمل تھی لیکن سب منتخب اور مستند مآخذ پر مبنی قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، لغت، ادب، دائرۃ المعارف، کتب اصول، فلسفہ اسلامی، اخلاقیات، اقتصادیات، اجتماعیات، تاریخ، سیاسیات اور دوسرے مفید و کارآمد موضوعات و مضامین سے متعلق کتابوں کی معتدبہ تعداد موجود تھی۔ عوام الناس کو مطالعہ کا شوق دلانے اور راغب کرنے کے لیے پورے پاکستان سے شائع ہونے والے دینی اسلامی رسائل و مجلّات اخبارات و جرائد مطالعہ کی میز پر سلیقہ سے رکھے جاتے تھے۔

بہرحال ناظم مجلس علمی کی ذاتی توجہ اور لائبریرین کی حیثیت سے ایک ذی علم، بااخلاق، خوش گفتار و سلیقہ شعار شخصیت کی موجودگی کے سبب مجلس علمی نے فروغ علم و تحقیق میں بڑا مؤثر کردار ادا کیا۔ شہر کراچی میں جہاں کتب خانوں کی سخت قلت تھی اور تحقیقی، تصنیفی سرگرمیوں کے لیے آسانیاں بالکل میسر نہ تھیں، مولانا محمد طاسین کا وجود بہت غنیمت تھا۔ اس لیے مجلس علمی نے اہل کراچی کی علمی خدمت میں بلا شبہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مصنفین، محققین اور قلمکاروں کی بڑی تعداد اس کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتی۔

(۹)

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ وقتاً فوقتاً لائبریری مجلس علمی میں تشریف لا کر اس کی رونق بڑھاتے رہتے تھے اور اس کی ضروریات کا جائزہ لیتے رہتے تھے اس پر مستزاد ناظم کتب خانہ کی شرافت، اخلاص، تواضع اور اہل علم و تحقیق کے لیے رہنمائی، مشاورت اور فراخدلانہ معاونت نے مجلس علمی کے فیضان کو دو چند کردیا تھا۔

اس عرصہ میں بانی مجلس علمی حضرت مولانا محمد بن موسیٰ رحمہ اللہ کے انتقال (اپریل ۱۹۶۳ء) کے بعد بھی ان کے صاحبزادگان اور دوسرے اہل خاندان نے سلسلہ معاونت اور ترسیل امداد میں رکاوٹ نہیں آنے دی اور دس بارہ سال گذرنے کے باوجود مجلس علمی کے جملہ معاملات بحسن و خوبی چلتے رہے۔ لیکن پھر جب غیر متوقع طور پر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نے (۳/ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ/ ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء) انتقال فرمایا تو حالات میں قدرے تغیر پیدا ہوا۔ اولڈ الائنس بلڈنگ جہاں میاں برادرز کاروباری دفتر بھی تھا اور لائبریری مجلس علمی کے ساتھ مولانا محمد طاسین کی معہ اہل وعیال رہائش بھی

تھی، اس کی حالت دن بدن مخدوش ہوتی چلی گئی (یہاں تک کہ بعد میں اس کو بالآخر منہدم کردیا گیا) اور اس کے متبادل انتظام کے لیے مجلس علمی کے لیے مخصوص پلاٹ بھی زیر تصرف نہ آسکا تو گویا حالات نے مجبور کردیا کہ مولانا طاسین بھی رہائش کا کہیں اور بندوبست کرلیں اور لائبریری کے لیے نئے مستقر کی تلاش، مالی معاملات کی تنظیم اور دیگر ضروریات کے تحت ایک نیا نظام وضع کیا جائے۔ چنانچہ ارباب اختیار کی باہم مشاورت سے ۱۹۹۰ء میں ایک نئی ہیئت تشکیل پائی یعنی ''مجلس علمی فاؤنڈیشن، لائبریری اور دوسرے امور چلانے کے لیے اسے بااختیار بنایا گیا اور جمشید روڈ پر المدینہ گارڈن نامی عمارت کے میز نائن فلور کو قیمتاً حاصل کرلیا گیا تاکہ لائبریری کو نئے سرے سے مرتب کر کے افادہ عام کے لیے کھول دیا جائے۔ مزید برآں مجلس علمی فاؤنڈیشن کے بورڈ آف گورنرز میں ناظم و نگراں مولانا محمد طاسین صاحب کو برقرار رکھتے ہوئے ان کی مدد و معاونت کے لیے مندرجہ ذیل اصحاب منتخب ہوئے۔:۔

(۱) قاضی برہان الدین صاحب (۲) حاجی زکریا صاحب
(۳) احمد علی بھائی موسیٰ صاحب (۴) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار
(۵) ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر (۶) جناب عبدالحمید صاحب اور
(۷) مفتی احمد الرحمٰن صاحب۔

اس نئے نظام کے تحت مجلس علمی لائبریری ۱۹۹۵ء میں جمشید روڈ نمبرا کراچی پر المدینہ گارڈن فلیٹس کے میز نائن فلور کے نئے مستقر پر منتقل ہوگئی اور اسطرح لائبریری کو نسبتاً ایک بڑی جگہ میسر آ گئی لیکن ابھی حالات میں وہ استحکام پیدا نہ ہوسکا تھا کہ اس کا تحقیقی تصنیفی کردار نمایاں ہوتا اور پہلے کی طرح طباعتی منصوبہ بندی کی جاسکتی اور ابھی مزید پیش رفت ہونا باقی تھی کہ یہ ادارہ ایک سانحہ سے دوچار ہوگیا اور وہ یہ کہ ناظم مجلس علمی مولانا محمد طاسین صاحب ۲۳/ دسمبر ۱۹۹۸ء کوانتقال فرماگئے۔ آخری دنوں میں چونکہ ان کے چھوٹے صاحبزادہ میاں محمد عامر سلمہ انتہائی سعادت مندی سے فاؤنڈیشن کے مختلف امور میں ان کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ اس لیے ان کے انتقال کے بعد تا حال مجلس علمی فاؤنڈیشن کے معاملات کی دیکھ بھال وہی کررہے ہیں۔ مولانا محمد طاسین صاحب آخری سالوں میں اپنی صحت کے پیش نظر عامر سلمہ، کو آنے والے حالات کے لیے غالبًا تیار کر رہے تھے چنانچہ عربی قرآن تفسیر حدیث فقہ وغیرہ کی تعلیم گھر پر انہیں خود دی پھر وہ ماشاء اللہ ایم اے اسلامیات کرنے کے بعد جامعہ کراچی سے ''ادیان ثلاثہ اور مذہبی روا داری'' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کررہے ہیں۔ ۱۹۹۰ء میں اپنے والد محترم کے ساتھ جنوبی افریقہ کا دورہ اور سعودی عرب میں عمرہ کی سعادت سے

بہرہ ور ہو چکے ہیں اور علمی و تبلیغی غرض سے برطانیہ اور امریکہ کے علاوہ بنگلہ دیش بھی جاچکے ہیں۔ امید ہے جیسے جیسے ان کا علم، عمر، تجربہ بڑھے گا ان کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہوگا اور وہ اپنے والد صاحب (مولانا محمد طاسینؒ) اور اپنے نانا (مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے نام کو چار چاند لگائیں گے۔ **اللھم زد فزد و بارک له** (ان کی معاونت کے لیے حسب ضابطہ بورڈ میں (۱) جناب رضا عبدالعزیز الراعی صاحب، (۲) ریاض الھدی صاحب، (۳) نعیم اشرف صاحب، (۴) مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، (۵) سلیمان بنوری صاحب، (۶) الیاس حیدر صاحب، (۷) قاری محمد حنیف جالندھری صاحب اور (۸) مولاناڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب موجود ہیں)۔

(۱۰)

ادارہ مجلس علمی ایک قدیم ادارہ ہے جس کی دو جہتیں نمایاں رہیں ایک علمی تحقیقی تصنیفی پہلو اور دوسرا طباعتی و اشاعتی پہلو۔ دونوں پہلوؤں سے اس نے اپنا کردار بھرپور طریقہ سے انجام دیا اور معیار کارکردگی اور خدمت دین کے معاملہ میں وہ بہت ارفع و اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ اس کی تنصیبات دو براعظموں پر تین ممالک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ڈابھیل، سورت (بھارت)، کراچی پاکستان اور جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ)۔ اس کا کام تینوں زبانوں میں موجود ہے فارسی، اردو، عربی، تعداد کے اعتبار سے مطبوعات کی مجموعی تعداد ۵۵ سے زائد ہے، مضامین کا تنوع ہے اور دینی و اسلامی موضوعات کے اہم شعبوں پر محیط ہیں مثلاً ۱۔ الروح فی القرآن، ۲۔ المشکلات القرآن حدیث و سیرت ۳۔ نصب، ۴۔ الرایہ، ۵۔ فیض الباری، ۶۔ کتاب الآ ثار، ۷۔ المسند للحمیدی، ۸۔ المصنف عبدالرزاق، ۹۔ سنن سعید بن منصور، ۱۰۔ فتح الملھم، ۱۱۔ معارف السنن، ۱۲۔ نورالبصر فی سیرۃ، ۱۳۔ خیرالبشر، رسول کریم، ۱۴۔ تدوین، ۱۵۔ حدیث، ۱۶۔ (خاتم النبیین وغیرہ) عقائد، ۱۷۔ عقیدہ الاسلام، ۱۸۔ تحقیہ الاسلام، ۱۹۔ اکفار الملحدین، ۱۹۔ خوارق عادات، ۲۰۔ صدائے ایمان، ۲۱۔ التصریح، ۲۲۔ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح) فقہ و فتاوی ۲۳۔ نیل الفرقدین بسط، ۲۴۔ الیدین، زادالفقیر، کشف، ۲۵۔ الستر، بغیۃ، ۲۶۔ الاریب، قبلۃ، ۲۷۔ المجلی لقبلۃ المصلی) فلسفہ و کلام الھیات (ضرب) ۲۸۔ الخاتم، مرقاۃ، ۲۹۔ (الطارم) تصرف و معرفت (عبقات) ۳۰۔ خزائن، ۳۱۔ الاسرار، معارف، ۳۲۔ لدنیہ، حق الیقین ۳۳۔ تذکرہ سلیمان، ۳۴۔ اسرار شریعت حکمت دین (البدور البازغہ، ۳۵۔ نظام، ۳۶۔ صلاح و فلاح، الخیر، ۳۷۔ الکثیر، زاد الفقیر، تفہیات، ۳۸۔ (الہ) اور متفرقات (خطبات) ۳۸۔ ماثورہ، ۳۹۔ خزائن (الاسرار) وغیرہ وغیرہ۔ مطبوعات پورے اہتمام سے احسن سے احسن طریقہ پر، دستیاب بہترین طابع

و ناشر سے حسین وجمیل پیشکش، مرتبین مصنیفین، محققین ، مولفین اور جامعین کی تعداد کافی ہے اور قدیم و جدید ہر دور کے ہیں، بعض مختصر مثلاً کشف الستہ، بسط الیدین، بعض ضخیم فیض الباری، کتاب الآ ثار، فتح الملہم اور المصنف عبدالرزاق (۱۱ جلدوں میں)۔ بعض نادر و نایاب جنھیں پہلی مرتبہ جمع و ترتیب، تحقیق، تصحیح، تعلیق، مخطوطات کے مقابلہ، موازنہ کے بعد زیور طبع سے آراستہ کیا گیا، بعض کی کئی مرتبہ طباعت و اشاعت ہوئی اور بعض پاکستان، ہندوستان اور مصر و قاہرہ اور دیگر ممالک سے شائع کی گئیں۔

لیکن مطبوعات و اشاعت کے اس پورے پروگرام میں اہم ترین اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ چونکہ اس ادارہ کی قیادت و سرپرستی ہمیشہ سے برصغیر پاک وہند کے محدثین عظام کے سپرد رہی مثلاً علامہ الدہر، امام العصر، محدث کبیر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ جو اس کے پہلے سربراہ و سرپرست تھے یا مثلاً شیخ الاسلام، شیخ التفسیر و الحدیث حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ۔ علاوہ ازیں تمام معاونین، مولفین، جامعین، شارحین وغیرہ (بشمول مولانا انور شاہ کشمیریؒ ، مولانا عثمانیؒ اور مولانا بنوریؒ) سے سب محدثین عظام اور شارح حدیث ہیں مثلاً حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا محمد یوسف کاملپوری مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی، مولانا ابوالوفا افغانی وغیرہ لہذا تمام مطبوعات کا انداز و آہنگ محدثانہ ہے موضوع بادی النظر میں چاہے حدیث سے براہ راست تعلق نہ رکھتا ہو لیکن رویہ محدثانہ ہے اور کتابوں کا غالب مواد احادیث و آثار پر مبنی ہے۔ اس لیے تمام مطبوعات و اشاعات بھی دراصل اشاعت حدیث کا موجب ہوئیں۔

بالفرض محال اگر کچھ دیر کے لیے ہم یہ نکتہ نظر انداز کر دیں تب بھی مجلس علمی کے لیے یہ فخر کم نہیں ہے کہ اس نے آثار و احادیث کے بنیادی مآخذ کے نوادر کو دریافت کیا اور تلاش و تحقیق سے مخطوطات و نسخہ جات کا پتہ چلایا، ان کا مقابلہ و موازنہ کیا، پھر ان کی تصحیح، تعلیق، تالیف و ترتیب کے بعد بہترین انداز سے شائع کیا اور تکنیکی اعتبار سے معیار اتنا بلند رکھا اور پیش کش اتنی اعلیٰ و برتر کہ تھوڑے ہی عرصہ میں چار دانگ عالم میں اس کا شہرہ ہوگیا اور عالم اسلام میں ہر جگہ اس کا نام و کام معتبر ٹھہرا۔ اب چونکہ مقالہ مزید تفصیلات کا متحمل نہیں ہو سکتا اس لیے آخیر میں مجلس علمی کی چند عظیم مطبوعات کی بطور فہرست نشاندہی پر اس مقالہ کا اختتام ہوتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) **فیض الباری علیٰ صحیح البخاری: من امالی الفقیہ المحدث الاستاذ الکبیر امام العصر الشیخ محمد انور شاہ الکشمیریؒ ثم الدیوبندی ۱۳۵۲ھ) مع حاشیہ البدر الساری الی فیض**

الباری: من صاحب الفضیلة الاستاذ محمد بدر عالم المیرتھیؒ ۴ جلدیں۔ مجلس علمی کے تحت ادارہ جمعیت علماء الترنسفال۔ جوہانسبرگ جنوبی افریقہ کے خرچ پر مطبعۃ الحجازی۔ قاہرہ (مصر) سے اشاعت پذیر ہوئی۔ (ج۱، ۱۳۵۷/ ۱۹۳۸ء) حضرت کشمیری کے افادات و امالی کا مجموعہ درس بخاری کی خصوصیات کے ساتھ منظر عام پر آیا اور مقبول عام ہوا۔

(۲) **فتح الملہم علی الصحیح المسلم**: از مولانا شبیر احمد الدیوبندی العثمانیؒ۔

(۳ جلدیں) پہلا ایڈیشن رجب ۵۴-۱۳۵۳ھ میں مدینہ برقی پریس، بجنور سے شائع ہوا۔ پاکستان میں پہلی مرتبہ مکتبۃ الحجاز-کراچی نے چھاپا۔ مولانا عثمانی کو درس مسلم میں اختصاص حاصل تھا ان کی شرح مسلم کو عالمی شہرت حاصل ہے۔

(۳) **المصنف عبدالرزاق**: للحافظ الکبیر ابی بکر عبدالرزاق بن ھمام الصنعانی، (۲۱۱) محدث عبدالرزاق کی عظیم تصنیف ۱۱جلدوں میں۔ حدیث و آثار کا ضخیم مجموعہ۔ احادیث مرفوعہ کے علاوہ صحابہ و تابعین کے فتاویٰ کی بڑی تعداد محفوظ و مذکور۔ فقہ حنفی کے لیے مفید ذخیرہ۔ حدیث کے ابتدائی مآخذ و مصادر میں شامل۔ کئی صدیوں سے نایاب تھا۔ محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نے برسوں کی عرق ریزی کے بعد طباعت کے قابل بنایا۔ مجلس علمی نے معیاری طباعت کے ساتھ بیروت سے شائع کیا۔ پہلا ایڈیشن ۱۳۹۰ تا ۱۳۹۲ ھ ۱۹۷۰-۱۹۷۲ ء میں آیا۔

(۴) **کتاب الآثار**: امام محمد بن الحسن الشیبانی م۱۸۹ھ

احادیث وآثار کا مشہور و معروف قدیم مجموعہ۔ امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور امام شافعی کے استاد کا تحفہ۔ مولانا ابوالوفا افغانی کی تصحیح تعلیق اور تشریح سے آراستہ۔

۲ جلدوں میں ۱۳۸۵ ھ/ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی۔ (پہلی جلد ہی ۶۳۸ صفحات سے زیادہ پر مشتمل ہے)

(۵) **المسند الحمیدی**: تالیف امام الحافظ الکبیر ابی بکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی م۲۱۹ھ، امام بخاری ۲۵۶ ھ، امام شافی ۲۰۴ ھ کے استاذ و شیخ اسفار طلب حدیث کے رفیق۔ نادر و نایاب مخطوطات سے جمع کر کے مجلس علمی نے ۲ جلدوں میں شائع کیا (پہلی جلد ہی ۵۴۵ صفحات کے متن و حوالوں پر مشتمل ہے اور مصنف کا رسالہ فی اصول السنۃ بھی ملحق ہے) تعلیقات وتصحیحات محدث الشیخ علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی کے قلم سے ۸۳-۱۳۸۲ ھ/ ۶۴-۱۹۶۳ ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔

(۶) سنن سعید بن منصور: تالیف الامام سعید بن منصور م۲۲۷ھ، امام مسلم م۲۶۱ھ، امام مسلم ۲۶۱ھ، امام ابوداؤد ۲۷۵ھ ابو زرعۃ الدمشقی اور ابوزرعۃ الرازی م ۲۶۴ھ اور امام احمد بن حنبل، م۲۴۱ھ کے استاذ شیخ تھے۔ اس کے اجزاء کی دریافت، تحقیق و تعلیق اور ترتیب ڈاکٹر محمد حمید اللہ م ۲۰۰۲ء کے قلم سے۔ مجلس علمی نے پہلی مرتبہ ۱۳۸۷ ھ/ ۱۹۶۷ء میں یہ اہم مآخذ شائع کیا۔

(۷) نصب الرایۃ لاحادیث الهدایۃ: تالیف العلامۃ جمال الدین الحنفی الزیلعی ۷۶۲ھ ۴جلدیں۔ مطبوعہ ۱۳۵۷ ھ/ ۱۹۳۸ء۔ احادیث الہدایت جسمیں مذاہب اربعہ کی اکثر احادیث کی طرف صراحۃ یا اشارۃً ذکر ہے احادیث کی تخریج تصحیح اور تعلیق کا کام پہلے مولانا عبدالعزیز السہالوی سے کرایا جو اطراف البخاری کے مصنف ہیں پھر تکمیل مولانا محمد یوسف کاملپوری (رکن مجلس علمی ڈابھیل) نے کی۔ شروع میں مقدمہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے قلم سے جسمیں نصب الرایہ کا اختصاص اور محدث زیلعی کا علمی مقام صاحب ھدایہ کا تذکرہ (سفر مصر و قاھرہ کے دوران قیام) کیا ہے، احناف کے لیے انتہائی قیمتی علمی کتاب ہے۔

(۸) معارف السنن (شرح سنن الترمذی): تالیف محمد یوسف بن السید محمد زکریا الحسینی البنوری، مولانا بنوری کی شاہکار کتاب جو ۶ جلدوں میں ہے اور نامکمل ہے (کتاب الحج) ختم کی ہے۔معارف السنن جامع ترمذی کی مبسوط شرح ہے۔ (صرف پہلی جلد ہی ابواب الطہارۃ پر ۵۰۷ صفحات پر (علاوہ فہارس) پھیلی ہوئی ہے) یہ شرح حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کے افادات کا مجموعہ، ان کے علوم کا خلاصہ اور ان کی تحقیقات و مباحث کا جامع ہے۔ العرف الشذی کے نام سے مولانا محمد چراغ کی جمع کردہ جو محدث کشمیری کی تقریر و امالی چھپی تھی اور جسمیں ضبط کی غلطیاں، تعبیرات میں سہو بیان میں نقص اور مباحث تشنہ تھے۔ ابتداً مولانا بنوری نے العرف الشذی کی اصلاح، غلطیوں کی تصحیح اور نقائص کے ازالہ پر کام شروع کیا تھا جو معارف السنن کی تالیف کا سبب بن گیا،۱۳۸۳ھ میں (پہلی جلد) مجلس علمی کے تحت کراچی سے شائع ہوئی۔

(۹) خاتم النبیین: (فارسی): تالیف حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ ۱۳۵۱ھ میں حضرت الشیخ کی آخری تصنیف جسے وہ زاد آخرت خیال فرماتے تھے۔ مرض الموت میں اس کی تکمیل ہوئی۔ ختم نبوت کے معرکۃ الآراء مسئلہ پر بے نظیر تصنیف، آیت قرآنی ولکن رسول الله و خاتم النبیین کی مکمل تفسیر اور رد مرزائیت و قادیانیت میں لکھی جانے والی وقیع تحریر۔ حضرت مولانا کی وفات کے بعد مجلس علمی کی جانب سے ۱۳۵۳ھ میں ڈابھیل سے شائع ہوئی۔

(۱۰) تدوین حدیث (اردو) : تالیف مولانا مناظر احسن گیلانیؒ۔ حدیث کی حقیقت اور شرعی حیثیت، جمع و تدوین حدیث، حجیت حدیث، منکرین حدیث کی شبہات و اعتراضات کا رد اور متعلقات حدیث کے تمام پہلوؤں پر جامع محققانہ ضخیم کتاب جو تقریباً پانچ ۵۰۰ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ مجلس علمی کے کراچی مستقر نے اپنی طباعتی و اشاعتی کاموں کا آغاز ۱۹۵۶ ء میں اسی کتاب سے کیا، معیاری پیشکش کے ساتھ علمی مذہبی حلقوں میں مقبول ہوئی۔

اسناد / حواشی / حوالہ جات

۱۔ اس سلسلہ میں دوسرے مآخذ کے علاوہ مدرسہ تعلیم الدین / الجامعۃ الاسلامیہ ڈابھیل کی ایک مفصل تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ مقالہ میں اس سے آزادانہ استفادہ کیا گیا ہے کیونکہ یہ کتاب (تاریخ جامعہ اسلامیہ) وہاں کے حالات ، خدمات، تعمیرات، شخصیات کے بارے میں ہے اور اسی جامعہ کے ایک استاذ جناب مولانا فضل الرحمٰن اعظمی صاحب نے جامعہ کے سرکاری ریکارڈ، سالانہ روئیدادوں (گجراتی واردو) اور رپورٹوں کی بنیاد پر مرتب کی ہے۔ جس کی نگرانی مہتمم جامعہ مولانا محمد سعید بزرگ صاحب نے فرمائی اور تصحیح بھی کی اور اپنے دفتر سے اسے شائع بھی کیا۔ اس لیے یہ کتاب ایک معاصر ومستند مآخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ضروری اعداد و شمار، تصاویر، عکسی اقتباسات سے مرصع ہے۔ دیکھئے: اعظمی، مولانا فضل الرحمٰن (مرتبہ) تاریخ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین۔ ڈابھیل سملک (شائع کردہ) دفتر اہتمام جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک ضلع بلساڑ۔ گجرات(۱۴۰۵ھ)

۲۔ ''جب ہندوستان میں مسلمانوں کا اقتدار تھا تو علاقہ گجرات میں صرف وہی علاقہ شامل نہ تھا جسے اس زمانہ میں سورٹھ کہتے تھے بلکہ سورت تک کا سارا ضلع اس میں شامل تھا اور جنوب کی جانب بمبئی بھی اسی میں تھا''۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء۔ ج ۱۷ ص ۵۲۴)'' شہنشاہ اکبر نے اس ملک پر حملہ کیا اور وہ بنفس نفیس احمد آباد بڑودہ کھنایت (Canbay) اور سورت تک آیا۔ چنانچہ اس وقت سے لیکر مرہٹوں کے عروج کے زمانہ تک یہ ملک شاہان دہلی کے مامور کردہ والیوں کے زیرنگیں رہا اس کے بعد انگریز آگئے۔ انھوں نے ملک کے اس حصہ میں مسلمانوں کے اقتدار کو بالکل ختم کردیا''۔(ایضاً) سلاطین گجرات کے عہد میں گجرات کے حدود کم وبیش ہوتے رہے، اسی سبب سے ان کے حدود اربعہ بھی بدلتے رہے۔
(تفصیل کے لیے دیکھئے: مولانا سید ابو ظفر ندوی، گجرات کی تمدنی تاریخ اعظم گڑھ ۱۹۶۲ء ص ۹)

۳۔ آغاز اسلام سے مسلمان گجرات کاٹھیاوار میں عرب تاجروں کی قدیمی روش کے مطابق بسلسلہ تجارت آگئے تھے۔ ۱۲۹۹ء/ ۹۹۔۶۹۸ھ) میں علاء الدین خلجی نے یہاں مسلمانوں کے اقتدار کا آغاز کیا (اردو دائرہ معارف اسلامی ج ۱۷، ص ۵۲۶)

۴۔ ندوی، شاہ معین الدین احمد (مرتبہ مقالات سلیمان۔ مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۶۸ء/ ۱۳۸۷ھ حصہ دوم ص ۱۔

۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۷ ھ ۵۲۶۔

۶۔ ایضاً ج ۲۰ ص ۱۸۳، ۱۸۴۔

۷۔ سلاطین گجرات کا زمانہ ۱۴۰۷ء/ ۸۱۰ھ) سے شروع ہوتا ہے۔ پہلا سلطان مظفر شاہ تھا۔ اسی کے دور سے اس سنہری دور کا آغاز ہوا جو تاریخ گجرات میں ہمیشہ یاد رکھا جائیگا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے ایضاً ج ۱۷ ص ۵۲۹ تا ص۵۳۷) سلاطین گجرات میں سے (احمد شاہ اوّل نے گجرات کو عرب سے ملا دیا اور حاجیوں کے قافلے سال بہ سال سلاطین گجرات کی نگرانی میں بحری راستہ سے جانے لگے اسی راستہ سے مشتاقان علم دیار عرب کا بھی رخ کرنے لگے۔ سلاطین گجرات میں محمود شاہ اوّل، مظفر شاہ حلیم اور محمود شاہ دوم بڑے علم پرور تھے۔ سلاطین گجرات کا زمانہ ۹۹۲ھ/۱۵۸۴ء) تک رہا۔ دیکھئے ایضاً ج ۲۰ ص ۱۸۳۔

۸۔ مولانا اعظمی کی مرتبہ تاریخ جامعہ اسلامیہ میں بطور افتتاحیہ مہتمم جامعہ مولانا محمد سعید بزرگ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کی ابتدا اور بہت کچھ تفصیل غالبًا مولانا سید سلیمان ندویؒ کے مقالات (ہندوستان میں علم حدیث/ ہندوستان میں علم حدیث کی تاریخ کے گمشدہ اوراق / مرتبہ شاہ معین الدین ندوی مطبوعہ اعظم گڑھ ص ۱ تا ص ۷۳) سے ماخوذ و مستفاد ہیں (مگر حوالہ نہیں دیا گیا) جبکہ اس کی مزید تفصیل مولانا حکیم سید عبدالحئ حسنیؒ کی یاد ایام کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے (دیکھئے اعظمی ص ۳)

۹۔ ایضاً ص۱۹۔

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ایضاً ص ۲۰

۱۲۔ سورت ہندوستان کا ایک مشہور شہر ہے سورت سے بمبئی کو جانے والی سڑک کے کنارے دو چھوٹے گاؤں (مواضعات) آباد ہیں، ڈابھیل اور سملک، دونوں ایک دوسرے سے اس طرح متصل ہیں کہ دونوں کو ایک ہی بستی ایک ہی گاؤں سمجھا جاتا ہے۔ یہ دونوں پہلے ضلع سورت میں داخل تھے اب (۱۹۸۵ء) ضلع بلساڑ کا ایک حصہ ہیں (ایضاً ص۱۸)

۱۳۔ مولانا احمد حسن بھام کے والد صاحب سملک کے باشندے، زراعت پیشہ ،بستی کے پٹیل(چودھری تھے) اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے معزز و معروف تھے، ذی حوصلہ، نیک خیال، بلند کردار، مہمان نواز، علماء کے قدردان تھے اکثر علماء و شیوخ کا قیام ان کے ہاں ہوتا تھا (ایضاً ص ۲۶۸) مولانا احمد حسن (ولادت تقریباً ۱۲۹۶ھ) عالم فاضل آدمی تھے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ کٹھور (ضلع سورت) میں مولانا عبدالحق سے حاصل کی پھر اس علاقہ کے مشہور عارف باللہ حضرت صوفی شاہ سلیمان لاجپوری (لاجپور ڈابھیل سے ۶ میل) کے مدرسہ اسلامیہ سے استفادہ کیا پھر ۱۳۱۸ھ میں دہلی کے مدرسہ حسین بخش میں پڑھا پھر جامع العلوم کانپور میں دو سال گذارنے کے بعد دہلی کے عبدالرب مدرسہ میں داخلہ لیا اور پھر مدرسہ امینیہ میں دورہ حدیث کے بعد فراغت حاصل کی اور وطن آگئے اور مدرسہ تعلیم الدین کے بنیاد رکھی۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے ایضاً ص ۲۶۸ تا ۲۷۲)

۱۴۔ ایضاً ص ۲۱۔

۱۵۔ ایضاً ص ۲۴۔

۱۶۔ ایضاً ص ۲۵۔

۱۷۔ ایضاً ص ۲۷۔

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ایضاً ص ۲۸۔

۲۰۔ اس وقت (۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء) تک مدرسہ کی تعمیرات بہت قلیل تھیں تعلیم بھی صرف مشکوٰۃ اور جلالین تک تھی اس درجہ میں صرف ڈابھیل کے ایک طالب علم اسماعیل یوسف گارڈی تھے۔ مدرس اوّل مولانا عبدالجبار صاحب پشاوری تھے۔ تمام طلباء کی تعداد ۲۹۳ تھی۔ اس وقت مدرسہ میں گجراتی اور ناظرہ کی پڑھائی بھی ہوتی تھی۔ عربی درجات میں اوّل سے لیکر مشکوٰۃ تک صرف بارہ طلباء تھے۔ درجہ فارسی میں اس سے کچھ زیادہ۔ مدرسین و ملازمین کی کل تعداد ۲۳ تھی (ایضاً ص ۴۰ بحوالہ روداد گجراتی ۴۶ھ)

۲۱۔ مولانا احمد بزرگ سورتیؒ (ولادت ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء) خود بھی ایک متدیّن عالم فاضل دیوبند (۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء) تھے۔ دورہ حدیث کی تکمیل حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے کی ۱۳۲۲ھ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵) سے بیعت ہوئے اور ان کی خدمت میں رہے مرشد نے ان کی موجودگی میں وصال فرمایا۔ پھر وطن کی طرف مراجعت کی اور کچھ مدت کے لیے جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ) چلے گئے (۱۹۱۰ء/۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند کے جلسہ دستار بندی کے وقت وہیں تھے۔ آپ کی دستار جوہانسبرگ بھیجی گئی) پھر وطن واپس ہوئے تو مولانا احمد حسن بھام نے (۱۹۰۸ء/۱۳۲۶ھ) مدرسہ تعلیم الدین کا صدر مدرس بنایا پھر (۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء) میں مولانا حکیم محمد ابراہیم راندیری کی فرمائش اور طلبی پر رنگون تشریف لے گئے اور سورتی جامع مسجد رنگون میں مفتی مقرر ہوئے تین سالہ قیام میں افتاء وعظ اور درس قرآن کے ذریعہ فیض پہنچایا۔ مولانا احمد حسن بھام کا افریقہ میں (۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء) انتقال ہوگیا تو شعبان ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں رنگون سے بلا کر مدرسہ تعلیم الدین کا مہتمم مقرر کیا۔ اس حیثیت میں آپ نے مدرسہ کو جامعہ بنانے کے لیے حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور دوسرے اکابر دیوبند کو ڈابھیل آنے کی دعوت دی پھر ان کے تشریف لانے پر ان کی خدمت کا حق ادا کیا (ملاحظہ ہو۔ اعظمی ص ۲۷۴ تا ۲۷۷) انتقال ۵ ربیع الاوّل ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء کو ۷۲ سال کی عمر میں ہوا۔ (رضوی۔ ص ۲۰۷)

۲۲۔ یہ دارالعلوم دیوبند کا بڑا پر آشوب دور ثابت ہوا جبکہ ۱۳۴۴ھ میں طلباء اور انتظامیہ کے درمیان ہونے والے اختلافات کی تند و تیز ہواؤں نے طلباء و انتظامیہ کے علاوہ علماء و اساتذہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دارالعلوم میں ہنگامہ آرائی، اسٹرائیک، ہڑتال، احتجاج کا سلسلہ اگلے دو سال تک جاری رہا یہاں تک کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا انور شاہ کشمیری ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم سے مستعفی ہوگئے اور ان کے ساتھ دوسرے مرید وتبع علماء بھی احتجاجاً مستعفی ہوگئے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: رضوی (تاریخ دارالسلام) ص ۹۶، ۹۷۔

۲۳۔ البنوری، محمد یوسف بن السید زکریا ۔ **نفحة العنبر فی حیاة امام العصر الشیخ انور. المجلس العلمی**۔ کراتشی (ت ط ن) ص ۱۶۔

۲۴۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری اور دوسرے اکابرین یہاں ڈھابیل میں پہلے بھی شعبان ۱۳۴۶ھ میں مولانا محمد بن

موسیٰ میاں سملکی ثم افریقی کی شادی میں شرکت کے لیے تشریف لاچکے تھے اور مولانا احمد بزرگ کی استدعا پر ۱۰ شعبان یا ۱۳ / شعبان قیام فرماکر نہ صرف یہ کہ مدرسہ تعلیم الدین میں معائنہ کے لیے قدم رنجہ فرمایا بلکہ مہتمم موصوف کی فرمائش پر باجماعت سالانہ امتحان لیکر مدرسہ کے اعلیٰ معیار سے بہت خوش اور مطمئن ہوئے اور اپنے تاثرات کا تحریری طور پر اظہار فرمایا۔ مدرسہ کے معائنہ رجسٹر میں حضرت والا اور دوسرے علماء حضرات کی آراء آج بھی محفوظ ہیں۔ (جس میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا سراج احمد رشیدی اور مولانا بدر عالم میرٹھی کی آراء و دستخطوں سمیت دیکھی جاسکتی ہیں) حوالہ کے لیے دیکھئے (اعظمی ص ۳۶ تا ۳۹) اس آمد کے موقع پر مدرسہ سے وابستگی کے شرائط و معاملات بھی زیر بحث آئے۔ چنانچہ اس قرار داد کے مطابق مذکورہ تمام حضرات علماء ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ کو ڈابھیل تشریف لائے (ایضاً)۔

۲۵۔ مہتمم مدرسہ جناب مولانا احمد بزرگ صاحب نے رمضان ۴۶ھ کی ۲۷ ویں شب کو ایک عجیب وغریب خواب یہ دیکھا کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دہلی میں وصال ہوگیا ہے۔ ہر طرف انتقال کی خبر سے لوگوں میں حیرانی پریشانی اور سراسیمگی کا عالم ہے آپؐ کے جسم اطہر کو گہوارہ میں رکھا گیا ہے۔ پھر اچانک یہ دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں اور ایک پلنگ پر ڈابھیل و سملک کے درمیان کسی جگہ آرام فرما ہیں (اس جگہ سے مراد سملک کا وہ سر راہ ہے جہاں بس رکتی ہے) لیکن بیمار ہیں۔ مولانا چاہتے ہیں کہ آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گود میں اٹھا کر اپنے جسم کو آپؐ کے جسم اطہر سے مس کرکے برکت حاصل کریں، لیکن جب اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں تو جسم مبارک انتہائی بھاری اور وزنی ہوجاتا ہے اور یہ (اٹھانے سے عاجز ہو جاتے ہیں بڑی مشکل محنت و مشقت سے محض تھوڑا سا اٹھا سکے۔ (اعظمی ص ۳۸ بحوالہ **نفحة العنبر** ص ۱۷)

۲۶۔ جب اس خواب کا ذکر مولانا مفتی عزیز الرحمٰن قدس سرہ سے کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: **یا اسفی: مات علم الحدیث بدیوبند وعسی ان یکون انشأء به دابیل وسملک** (ایضاً)

۲۷۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کی معیت میں جو حضرات ڈابھیل تشریف لائے ان میں یہ حضرات شامل ہیں۔ (۱) شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (۲) مولانا سید سراج احمد رشیدی (۳) حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن (۴) حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی (۵) مولانا سید محمد ادریس صاحب سکھروی (۶) مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی (۷) مولانا سعید احمد اکبر آبادی (۸) مولانا محمد یحییٰ صاحب تھانوی (۹) حضرت مولانا مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب (ضعف اور پیرانہ سالی کے سبب ہمراہ تو نہیں البتہ چند ماہ بعد) تشریف لے آئے۔ (ایضاً ص ۳۹)

۲۸۔ جامعہ بنتے ہی اطراف عالم سے علوم نبوت کے پرانے اور تشنگان علوم اس دور افتادہ اور غیر معروف بستی میں آنے لگے یہاں تک کہ پشاور کابل، ترکی، ڈھاکہ بہار، بخارا، ایران، مدراس، کشمیر، سمرقند، سندھ بنگلور، ہزارہ، چاٹگام، اعظم گڑھ، فیض آباد، سنبھل، بلیا، بستی، دیوبند، کاندھلہ، نجیب آباد، سیالکوٹ، ہوشیار پور، نگینہ وغیرہ کے طلباء اس کثرت سے پہنچ گئے کہ ۱۳۴۷ھ کے اوائل ہی میں طلباً کی تعداد ۴۰۰ سے زیادہ ہوگئی جسمیں صرف دورہ حدیث کے ۵۹ طلباء تھے مدرسین و ملازمین ۳۳ سے بڑھ کر ۴۳ ہوگئے۔ (ایضاً ص ۴۱ بحوالہ روداد ۴۷ھ)

۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ حضرات مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے مکمل تعارف اور حالات زندگی مفاخر و مآثر کے لیے ملاحظہ ہو: **البنوری محمد یوسف نفحة العنبر فی حیاة امام العصر الشیخ انور. المجلس العلمی. کراتشی باکستان** (ت ، ن) یہ کتاب مولانا بنوری نے اپنے قیام ڈابھیل کے زمانہ میں ہی (۱۳۵۴ ھ) میں لکھ کر اسی وقت المجلس العلمی ڈابھیل کی طرف سے شائع کرادی تھی۔ (مختصر تعارف کے لیے ملاحظہ ہو: پروین روزینہ (مرتبہ) جمعیت العلماء ہند دستاویزات مرکزی اجلاس ہائے عام ۱۹۱۹۔۱۹۴۵۔ قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت۔ (ت ط ن) جلد دوم ص ۵۳ ۔ ۸۵۲)

۳۱۔ یہ معلومات سید محبوب رضوی کی تاریخ دارالعلوم دیو بند (ص ۲۰۰۔۱۹۹) سے ماخوذ ہیں۔ علامہ اقبال کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں اسلامی تعلیمات سے جو شغف پیدا ہوگیا تھا اس میں شاہ صاحب کے فیضان علمی کا بڑا دخل تھا۔ جب حضرت شاہ صاحب دیو بند سے علیحدہ ہوئے تو علامہ اقبال نے کوشش کی کہ مستقل طور لاہور میں قیام اختیار کرلیں تاکہ ان کے ساتھ ملکر فقہ کی تدوین جدید کا کام کرسکیں مگر شاہ صاحب نے ڈابھیل والوں کی درخواست منظور فرما لی۔ علامہ اقبال نے اپنے انگریزی لیکچروں کی ترتیب میں بھی حضرت شاہ صاحب سے بہت استفادہ کیا تھا (ایضاً ص ۲۰۰)

۳۲۔ بجنوری، مولانا سید احمد رضا۔ ''حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری کا علمی مقام۔ ماہنامہ بنیات۔کراچی (بیاد محدث العصرالخ) محرم / ربیع الاوّل (جنوری / فروری ۱۹۷۸ء) جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی ص ۱۰۷۔

۳۳۔ نعمانی، مولانا عبدالرشید۔ ''حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ'' ماہنامہ بنیات کراچی (مولانا بنوری نمبر) ص ۶۰۳

۳۴۔ مولانا محمد بن موسیٰ میاں سملکی ثم افریقی کا آبائی وطن سورت میں سملک تھا مگر چند پشتوں سے ان کے خاندان نے جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ کو وطن اقامت بنا لیا تھا وہیں تقریباً ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے لیے والد صاحب نے ہندوستان بھیج دیا۔ پہلے مولانا نذیر احمد پالن پوری سے پڑھا۔ ۱۳۴۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۴۴ ھ میں فراغت حاصل کی۔ دارالعلوم میں آنے کے ساتھ ہی حضرت شاہ صاحب کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے تھے۔ دولت مند ہونے کے باوجود سادہ زندگی گذارتے۔ عربی، فارسی، اردو کے علاوہ انگریزی اور فرانسیسی زبان بھی بخوبی جانتے تھے۔تعلیم سے فارغ ہوکر جوہانسبرگ چلے گئے وہاں اپنے وسیع ترین تجارتی کاروبار کے ساتھ ساتھ بڑے پیمانے پر دینی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔

۳۵۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عربی فارسی کی متعدد اہم کتابیں المجلس العلمی کے تحت اشاعت پذیر ہوئیں مثلاً **البدور البازغة، الخیر الکثیر ، التفهیمات الالهیة، ازالة الخفاء** وغیرہ وغیرہ۔

۳۶۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: رضوی (تاریخ) ص ۲۲۴ مزید دیکھئے : اعظمی ص ۵۰۔ ۱۴۹۔

۳۷۔ اعظمی ص ۳۶ تا ۳۹ ملخصاً۔

۳۸۔ مولانا سید احمد رضا بجنوری ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوئے ۔ والد محترم پیر جی شبیر علی صاحب تھے۔ ابتدائی تعلیم بجنور میں حاصل کی۔ دس سال کی عمر میں مدرسہ فیض عام سیوہارہ گئے۔ ۱۸ء تک وہیں رہے ۱۹ء تا ۲۲ء مدرسہ عربیہ

قادریہ حسن پور جاکر تعلیم جاری رکھی۔ ۲۳ء تا۲۶ء دارالعلوم دیو بند میں قیام رہا اس دوران زیادہ تر تعلق امام العصر محمد انور شاہ کشمیریؒ ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ اور مولانا اعزاز علی امروہویؒ سے رہا۔ ۴۶۔ ۴۵ھ میں دورہ حدیث پڑھا۔ امام کشمیری کے جانے کے بعد انکی اجازت سے مولانا مدنی قدس سرہ سے حدیث پڑھی۔ تکمیل دورہ کے بعد تبلیغ کالج کرنال چلے گئے جہاں تین سال سے زیادہ قیام رہا۔ تبلیغی ضرورت کے لیے انگریزی بھی سیکھی عربی ادب میں تخصص کیا۔ ۲۹ء میں مجلس علمی کے لیے (مولانا محمد بن موسیٰ کی فرمائش پر) ڈابھیل گئے اور ۴۵ء تک وہیں رہے۔ ڈابھیل کے قیام کے زمانہ میں شاہ صاحب کی وفات تک شاہ صاحب سے خوب استفادہ کیا۔ جبکہ ۳۷ء۔۳۸ء میں ''فیض الباری'' اور ''نصب الرایۂ'' وغیرہ کی طباعت کے لیے مولانا بنوری کے ہمراہ مختلف عرب ممالک، ترکی مصر وغیرہ کا دورہ کیا۔ مصر میں ۹ ماہ قیام کے دوران مولانا زاہدالکوثری سے تعلقات استوار ہوئے۔ ۴۶ء سے ۵۲ء تک بجنور میں مطب کیا۔ ۵۳ سے ۵۹ء تک روزنامہ الجمیعۃ اور الحمیقہ پریس سے انتظامی تعلق رہا۔ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان بھی امتیازی حیثیت سے پاس کیا ۴۷ھ میں حضرت علامہ کشمیری کی چھوٹی صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوا علامہ عثمانی نے نکاح پڑھایا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ادارہ :ہفت روزہ خدام الدین لاہور۔ علامہ بنوری نمبر۔ (فروری مارچ ۱۹۷۸ء ص ۱۰۹ ملخصاً)

۳۹۔ بجنوری۔مولانا احمد رضا۔ مجلس علمی (تعارفی کتابچہ بزبان اردو) شائع کردہ مجلس علمی ڈابھیل (ت ط ن) ص ۲ نیز دیکھئے تعارفی کتابچہ (بزبان عربی) المجلس العلمی اهدافه وشئونه العلمية وآثاره الخالده۔ مطبوعه المجلس العلمی، کراتشی، باکستان (ت ط ن)

۴۰۔ تفصیل کے لیے دیکھئے ۔ اعظمی (ص ۲۳۶ تا ص ۲۳۸)

۴۱۔ ایضاً ص ۱۱۔ ۳۱۰۔

۴۲۔ ایضاً ص ۲۴۱ ، ۲۴۲۔

۴۳۔ ایضا ص ۶ ۔ ۳۰۵۔

۴۴۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ایضاً ص ۲۹۶ تا ص ۳۰۱۔

۴۵۔ ایضاً ۳۰۰۔

۴۶۔ ایضاً ص ۱۶ ، ۱۷ (بحوالہ روداد ۵۳ ھ ص ۳۶ تا ۴۱)

۴۷۔ ایضاً ص ۳۸۲ (بحوالہ روداد ۵۲ھ ص ۱۷ تا ص ۲۰)

۴۸۔ ایضاً ۱۷۔

۴۹۔ ایضاً ص ۱۰۴۔

۵۰۔ حضرت العلامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء تا ۱۳۶۹ھ /۱۹۴۹ء) دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل (۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) اور حضرت شیخ الہند کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں ان کو دارالعلوم دیو بند میں تدریسی ذمہ داری سونپی گئی، موصوف کے درس صحیح مسلم کو بڑی شہرت ملی۔ ۱۳۴۶ھ /۱۹۲۸ء میں مولانا انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کی معیت میں دوسرے اکابرین کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لائے۔ مولانا انور

شاہ کشمیریؒ کے معتمد علیہ تھے۔ شاہ صاحب کے انتقال ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۲ء کے بعد شیخ الحدیث صدر مدرس اور ان کے جانشین بنے ۱۳۵۸ ء تک مسلسل بخاری کا درس دیتے رہے۔ انھیں یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ جامعہ اسلامیہ کے صدر مدرس ہونے کے علاوہ وہ بیک وقت دارالعلوم دیو بند کے بھی ۱۳۰۴ھ/۱۹۳۵ء سے صدر مہتمم بنائے گئے (جس کے فرائض کی بجاآوری وہ جامعہ اسلامیہ میں تعطیلات کے دوران کرتے تھے) اور جس کی فرمائش حضرت اشرف علی تھانوی اور دوسرے اکابرین دیوبند نے کی تھی پھر ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء میں وہاں دارالعلوم سے مستعفی ہوگئے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (رضوی۔تاریخ۔ص ۸۔۲۰۷) نیز الاعظمی (ص ۲۹۶، ص ۳۰۱) دینی خدمات کے علاوہ حضرت مولانا کی ملی و قومی خدمات کا ریکارڈ بھی بہت شاندار ہے۔ جمعیۃ العلماء ہند کے رہنما تھے پھر ان سے اختلاف کے بعد مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ ۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں جمعیۃ علماء اسلام کے صدر منتخب ہوئے۔ تقسیم ہند سے قبل ۸ رمضان ۱۳۶۲ھ/ ۶/اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی پہنچے۔ ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ ء کے جشن آزادی میں شرکت کی۔ پاکستان دستور ساز اسمبلی کے رکن اور دستور کمیٹی کے صدر مقرر ہوئے۔ پاکستان دستور ساز اسمبلی میں مرحوم نوابزادہ لیاقت علی خان کی پیش کردہ قراداد مقاصد در اصل آپ کی جدوجہد کا نتیجہ تھی (رضوی ۲۰۸)۔

۵۱۔ جامعہ اسلامیہ میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بعض عارضی وقفوں کے ساتھ (۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۲ء سے لیکر ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۸ء تک مسلسل درس بخاری دیتے رہے۔ ۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء میں بھی ایک ماہ کے لیے تشریف لائے پھر ۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں تشریف لائے اور پھر ۶۴ھ/۴۵۔۴۴ تک رہے۔ مولانا عثمانی کے افادات اور تقریر بخاری کو مولانا عبدالوحید صدیقی فاضل جامعہ نے قلمبند کیا جو خود بھی دورہ حدیث میں شریک تھے۔ اس تقریر کو شائع کرنے کا شرف بھی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کو حاصل ہوا۔ اس تقریر اور افادات کو مزید اضافہ کے ساتھ کراچی میں مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب نے کئی جلدوں میں شائع کیا۔ (الاعظمی ص ۳۰۱ ۔ ۳۰۰)

۵۲۔ بجنوری ، مولانا سید احمد رضا۔ (حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کا علمی مقام) بنیات کراچی ص ۷۰۸۔

۵۳۔ ایضاً ص ۷۰۹

۵۴۔ ایضاً

۵۵۔ ایضاً

۵۶۔ ایضاً

۵۷۔ ایضاً

۵۸۔ اعظمی ص ۲۳۴ نیز ص ۳۲۶۔

۵۹۔ نعمانی، مولانا عبدالرشید۔ (بینات۔محدث العصر نمبر) ص۶۰۲

۶۰۔ اعظمی ص ۱۰۸ تا ص ۱۱۷ ملخصاً

۶۱۔ ایضاً ص ۲۶ ۔ ۳۲۵

۶۲۔ نعمانی (مولانا عبدالرشید)۔ بینات (محدث العصر نمبر) ص ۰۳۔۶۰۲

۶۳۔ بجنوری (مولانا احمد رضا) بینات (محدث العصر نمبر) ص ۷۰۹۔

۶۴۔ مختار، مولانا محمد حبیب اللہ (مترجم) الحمدللہ: عربی خود نوشت حضرت مولانا بنوری (بنیات۔محدث العصر نمبر) ص۱۱۔

۶۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: رپورٹ ایڈیٹر ہفت روزہ خدام الدین لاہور ''مجلس علمی اور مولانا محمد طاسین'' (سیدبنوری نمبر) فروری مارچ ۱۹۷۸ء ص ۳۲۹۔

۶۶۔ مولانا محمد طاسین (ولد عبدالرحمٰن صاحب) ہری پور ہزارہ (صوبہ سرحد) میں ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے مقامی مکتب اور اسکول کی تعلیم کے بعد درس نظامی کی ابتدائی تعلیم صوبہ سرحد اور صوبہ پنجاب کے مدارس میں ہوئی اور اعلی تعلیم دیوبند، امروہہ اور مراد آباد کے مدارس میں حاصل کی۔ یہاں تک کہ ۱۹۴۲ء میں امروہ کے مدرسہ اسلامیہ سے سند فراغت حاصل کی اس وقت حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہویؒ مدرسہ کے روح رواں تھے جو حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے فیض یافتہ تھے فراغت کے بعد مرحوم نے حکماً مولانا طاسین کو وہاں تدریس کے کام پر لگایا...... اور فرمایا کہ بخاری شریف کے علاوہ جو سبق چاہو مل سکتاہے۔ چنانچہ پہلے ہی سال ترمذی شریف، توضیح و تلویح اور بیضاوی جیسے اسباق پڑھائے۔۱۹۴۷ء تک وہیں قیام رہا۔ ۱۹۴۷ء کی تعطیلات میں شملہ تشریف لے گئے لیکن فسادات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا گھر واپس آئے سال بھر قیام کے بعد حویلیاں کے قصبہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔حتی کہ ۱۹۴۹ء میں کراچی آگئے۔ جناب ابوالنظر رضوی امروہوی بہت بڑے مفکر اور صاحب قلم تھے۔ ان کا مقصد ایک تحقیقی ادارہ کا قیام تھا جو ''رباط العلوم الاسلامیۃ کے نام سے کراچی میں قائم ہوا۔ اس سے متعلق ہوگئے لائبریری بنائی مقصد نشرواشاعت کا کام تھا۔ اسی زمانہ میں ٹنڈوالہ یار آنا جانا ہوتا رہا اور یوں حضرت مولانا بنوریؒ سے رابطہ ہوگیا۔ انہی دنوں مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے دارالعلوم کراچی کی بنیاد رکھی۔ مفتی صاحب سے ان کے داماد اور مولانا نور احمد اکیابی برمی (شاگرد مولانا طاسین صاحب) کی وساطت سے مفتی شفیع صاحب سے بھی رابطہ ہوا۔ اس وقت تک دارالعلوم میں دورہ حدیث شروع نہ ہوا تھا۔ موقوف علیہ تک درس ہوتا تھا۔ حضرت مفتی صاحب کے پاس جو اسباق تھے یعنی مشکوٰۃ اور جلالین وہ آپ کے سپرد کئے گئے لیکن پھر نباہ نہ ہوسکا۔ اور پھر جب مولانا طاسین کا تعلق بطور لائبریرین رباط العلوم کی لائبریری سے قائم ہوا تو اسی دوران جزوی طور پر آپ کا تعلق المجلس سے بھی ہوگیا یہاں تک کہ ۱۹۵۲ء میں انہیں مجلس علمی کا ناظم بنایا گیا اور حضرت مولانا بنوری نے مولانا طاسین کا نکاح بھی ۱۹۵۶ء میں اپنی صاحبزادی سے کردیا۔ (ماخوذ و مستفاد ایضاً ص ۳۹۰، ۳۳۰) گویا تاریخ اپنے آپ کو پھر دہرا رہی تھی۔ مولانا شاہ صاحب کشمیری نے مولانا احمد رضا بجنوری کو'' ناظم '' مقرر کیا اور پھر اپنا داماد بھی۔ یہاں ان کے جانشین حضرت بنوری نے جس شخصیت کو ناظم بنایا اسے چار سال بعد داماد بھی بنالیا۔